جلد ۴۳ اپریل ۱۹۵۵ء عدد ۲

ماہنامہ

# ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

# فہرست مضامین

| عدد ۲ | اپریل ۱۹۷۵ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۵ھ | جلد ۸۳ |
|---|---|---|



ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

زرِ سالانہ بارہ روپے۔ اس شمارہ کی قیمت ۱/۵۰ روپیہ

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

ابن خلکان کا بیان ہے کہ جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت پورے عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی اور لوگ دیوانہ وار گریہ وزاری کرنے لگے۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ملّتِ اسلامی کے جمود کو توڑا اور اس کے اندر ایک نئی روحِ اتحاد وجہاد پھونکی اور صلیبی طاقتوں سے جنگ کرکے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقے آزاد کرائے اور یوں ملّت کے وقار کو دنیا کے اندر بحال کیا۔ ملّتِ اسلامی آج تک اس نیک نفس سلطان کو تحسین وستائش کا خراج پیش کر رہی ہے اور جب کبھی ملّت پر اعداء کا حملہ ہوتا ہے اور وہ مصائب کے نرغے میں آجاتی ہے تو اس کی آنکھیں کسی دوسرے صلاح الدین کو ڈھونڈتی ہیں۔ جہاں تک شان وشوکت اور دبدبہ وطنطنہ کا تعلق ہے مسلمانوں کو صلاح الدینؒ سے بڑھ کر سلاطین وفرمانروا ملے ہیں مگر ان کے لیے دلوں میں وہ جذبہ واحترام نہیں ہے جو صلاح الدین ایوبیؒ کے لیے پایا جاتا ہے۔

آج سعودی عرب کے فرمانروا فیصل بن عبدالعزیز آل سعود کے لیے پوری دنیا کے اندر ایک کہرام برپا ہے۔ ان کی شہادت نے ہر مرد وزن کو رُلا دیا ہے۔ تاریخِ حاضر میں اور بھی زعماء اور فرمانروا دنیا سے رخصت ہوئے ہیں مگر اس انداز میں مشرق ومغرب کسی کے لیے اشکبار نہیں ہوا جس انداز میں آج فیصل کے لیے دنیائے اسلام نوحہ خواں ہے۔ عرب بھی سینہ فگار ہیں اور عجم بھی اشکبار ہیں۔ افریقہ کے سیاہ فام بھی وقفِ گریہ ہیں اور امریکہ کے مشک فام بھی سوگوار ہیں۔ مسلم اکثریت کے در ودیوار بھی سیاہ پوش ہیں اور مسلم اقلیتوں کے گھر بھی کلبۂ احزان بن چکے ہیں۔ فلسطین کے مجاہدین محسوس کر رہے ہیں کہ وہ مشفق باپ سے محروم ہو گئے۔ اریٹیریا کے مظلومین رو رہے ہیں کہ دستِ شفقت اُن کے سر سے اُٹھ گیا۔ فلپائن کے کشتگانِ تیغِ ستم کی نگاہیں پتھرا چکی ہیں کہ اُن کا سرپرست بیچ منجدھار انہیں چھوڑ گیا۔ اتحادِ اسلامی کی تحریک کا قافلہ سالار چل دیا، حرمین کا جاروب کش اُٹھ گیا، حجاج کا خادم کفن بردوش

ہے، درماندہ ملت کا حدی خواں بے خروکش ہے، بیت المقدس کی آزادی کا علمبردار تہہ خاک جالیٹا اور اب وہ صدائے دلنواز خاموش ہے جو تادمِ آخر یہ کہتی رہی کہ بیت المقدس ہمارا ہے۔ ہم بیت المقدس میں لازماً نماز گزاریں گے۔

فیصل بن عبد العزیز اس دور کے مسلمانوں کے لیے رحمتِ خداوندی تھے۔ وہ پیکرِ تدبرّ اور تصویرِ اخلاص تھے۔ وہ دو باتوں کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے تھے ایک دنیا کے اندر اسلام کی سربلندی اور دوسرے ملت مرحومہ کی نئی شیرازہ بندی۔ انہوں نے حکمت و تدبرّ سے عربوں اور مسلمانوں کو بار بار متحد کیا اور بنیان مرصوص بن کر اعداء کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی۔ مسائل کو منافقت اور دجل و مکر سے حل کرنے کے بجائے اخلاص اور صاف گوئی اور جرأت سے حل کرنے کا سبق دیا۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ، بہادر قوم کا وطن اور مستقبل میں اسلام کی امید گاہ سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ پاکستان کی ہر مصیبت پر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپا اور بچوں کی طرح روئے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انہوں نے ہر طرح سے مدد کی۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھی انہوں نے بھرپور اخلاقی و مادی امداد دی۔ مشرقی پاکستان بھارت کی جارحیت کا شکار ہو گیا مگر انہوں نے اُس کی علیحدہ حیثیت کو "بنگلہ دیش" کے نام سے تسلیم نہیں کیا۔ ان کی پوری دولت، اُن کا تمام تر تدبرّ، اُن کے جملہ وسائل مسلمانوں کی تنظیم، اسلام کی اشاعت، بے کسوں اور مظلوموں کی امداد، اسلامی مراکز و مساجد کے قیام، مخالفِ اسلام نظریات و افکار اور تحریکات و تنظیمات کے استیصال میں صرف ہوتی رہیں۔

۱۹۶۴ء میں وہ تخت نشین ہوئے اور ۱۹۷۵ء کے اُن آخری لمحات تک جو انہوں نے دنیا میں گزارے دشمنوں کی آنکھ کا کانٹا بنے رہے۔ یہودی اور ان کے ہم نوا اُن سے ناخوش تھے کہ وہ کسی طرح بھی اُن کے زیرِ دام نہ آ سکے۔ کمیونسٹ اور ان کے حاشیہ بردار بھی اُن کے شدید مخالف تھے کہ انہوں نے مشرقِ اوسط میں کمیونزم کا بھرپور تعاقب کیا۔ عرب قوم پرست اور الحاد کے حامی ان کے خلاف محاذ آرائی کرتے رہے کہ وہ قومیت کو ملت کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے اور اسلام کی بنیاد پر شیرازہ بندی کے علمبردار تھے۔ قادیانی اُن کے دشمن تھے کہ وہ اس تخریبی فتنے سے پوری مسلم دنیا کو پاک کرنا چاہتے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر ان کی شہادت کوئی غیر متوقع نہ تھی لیکن ان کی شہادت مسلمانوں کے لیے ایسا شدید نقصان ہے جس کا پورا احساس انہیں مستقبل قریب میں ہوگا۔ عربی کا شعر ہے:

سیذکرنی قومی اذا جد جدھم

وفی اللیلۃ الظلماء یفتقد البدر

(میری قوم پر جب کوئی آفت ٹوٹے گی تو پھر اُسے میری یاد آئے گی۔ رات کی شدید تاریکی میں

چاند کی ضرورت پیش آتی ہے)

اللہ تعالیٰ فیصل بن عبدالعزیز کی مغفرت فرمائے۔ ان کے جانشینوں کو راہ راست پر چلنے کی توفیق بخشے۔ اور مسلمانوں کے لیے نیک حکمران مقدر فرمائے جو دین کی سربلندی اور ملت کی غمخواری کرنے والے ہوں۔

---

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کو اقلیت قرار دے کر جو شہرت اور ناموری حاصل کی تھی افسوس کہ وہ اپنی بے تدبیری کی وجہ سے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اگر انہوں نے یہ کام دینی جذبے کے تحت سرانجام دیا تھا تو اب اس معاملے میں ان کی غفلت بڑی اندوہناک ہے کیونکہ اگر کوئی کام خدا کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو اس کی نوعیت وقتی اور ہنگامی نہیں ہوتی بلکہ مستقل اور پائیدار ہوتی ہے۔ ہم اُن کے بارے میں یہ حسنِ ظن ہی رکھتے ہیں کہ اس معاملے میں ان کے پیش نظر کوئی دنیوی غرض نہ تھی بلکہ خدا کی رضا تھی اس لیے اُنہیں اس کام کو بغیر کسی تاخیر کے اس کے فطری نتائج تک پہنچائے بغیر دم نہ لینا چاہیے۔

---

اس ضمن میں انہیں سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ جہاں جہاں رجسٹریشن کی ضرورت ہو وہاں قادیانیوں کا اندراج بحیثیت غیر مسلم کیا جائے۔ ملازمتوں کے لیے جو ریکارڈ موجود ہیں، وکلاء کی رجسٹریشن اور شناختی کارڈوں میں ان کی یہ حیثیت بالکل واضح طور پر درج ہونی چاہیے۔ اگر عیسائیوں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے بارے میں سرکاری اور غیر سرکاری ریکارڈ میں ان کے مذہب کی صراحت کا اہتمام کیا جاتا ہے تو آخر "ان غیر مسلموں" کے بارے میں اس صراحت کو کیوں غیر ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اس بات کا جلد از جلد التزام نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے لیے بہت سی معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی جو آگے چل کر ان کے لیے سخت مشکلات کا باعث بنیں گی۔

دُنیا کا ہر معاشرہ لیکن خاص طور پر وہ معاشرہ جو دین کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے مذہبی معتقدات کے بارے میں بڑا حساس ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا جو اس کے حساسات سے مغائرت رکھتی ہو۔ جس طرح انسان کا نظامِ ہضم ہر اس چیز کو پوری شدت کے ساتھ لوٹا دیتا ہے جسے اس کا معدہ قبول کرنے سے انکار کرتا ہے بالکل اسی طرح دینی معاشرہ ہر اس عنصر کو اپنے اندر جذب کرنے میں مزاحم ہوتا ہے جو اس کے اساسی تصورات میں اختلال پیدا کرے اور اگر اس عنصر کو اس کے اندر بالجبر کھپانے کی کوشش کی جائے تو دینی معاشرہ بالکل فطری طور پر اُسی ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے، جو ایک شخص کسی ناپسندیدہ چیز کے حلق میں اتر جانے کی وجہ سے ذہنی اور جسمانی کرب و

اضطراب کی صورت میں کرتا ہے اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اس ناپسندیدہ شے کو باہر نکال نہیں پھینکتا۔

---

قادیانیوں کے بارے میں قومی اسمبلی کے فیصلے کے نفاذ کے سلسلے میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے یہ لوگ بالکل ناجائز فائدہ اٹھا کر نہ صرف مختلف قسم کی اَن ہونی باتیں کر رہے ہیں بلکہ اتنے جری اور بیباک ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ ان کی نظر میں قانون کا کوئی احترام باقی نہیں رہا۔ ان کے سربراہ اپنے معتقدین کے اندر یہ تاثر پھیلا رہے ہیں کہ بھٹو صاحب نے قومی اسمبلی سے یہ فیصلہ کسی دینی تقاضے کے تحت نہیں کروایا بلکہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے اور مسلم قوم کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے اور آئین میں اس تبدیلی کے علاوہ وہ اس ضمن میں کوئی مزید کارروائی کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے متبعین کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر من مانی کارروائیاں کرتے رہیں۔ ان سے کسی طرح کی باز پرس نہ ہوگی۔ قادیانیوں کی نگاہ میں قانون کس حد تک بے وزن اور قومی اسمبلی کا فیصلہ کس درجہ بے وقعت ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے ان کے ترجمان "الفضل" مورخہ ۱ مارچ ۱۹۷۵ء کی یہ وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

قادیانیوں کو قومی اسمبلی کا فیصلہ قبول نہیں ہم احمدی مسلمان ہیں

ایک ضروری وضاحت

شناختی کارڈ حاصل کرنے کا جو فارم پُر کرنا پڑتا ہے اس میں ایک خانہ " مذہب " کا ہے اسی طرح سکولوں میں داخلہ کے لیے فارموں میں بھی مذہب کا خانہ ہے بعض اور فارموں میں بھی ہوگا۔ متعلقہ افسران اصرار کرتے ہیں کہ احمدی اپنے آپ کو غیر مسلم درج کریں۔ ان کا یہ مطالبہ غیر آئینی اور بالکل غیر منصفانہ ہے۔

یہ درست ہے کہ دستور پاکستان اور قانونی اغراض کے لیے "احمدی" مسلمان قرار نہیں دیے گئے لیکن ساتھ ہی دستور کا آرٹیکل ۲۰ ہر شخص کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ جو مذہب بھی رکھتا ہو اس کا برملا اظہار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ یہ حق بدستور قائم ہے۔ اس حق کو وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اس تقریر میں جو انہوں نے احمدیوں کے متعلق دستور میں ترمیم کے وقت کی اور زیادہ وضاحت اور خوبصورتی کے

ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "ہر پاکستانی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فخر و اعتماد سے بغیر کسی خوف کے اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر سکے۔ پاکستان کے آئین میں پاکستانی شہریوں کو اس امر کی ضمانت دی گئی ہے"۔

اس کے بعد چند سطروں میں اپنے عقائد کی وضاحت کر کے خود ہی اپنے بارے میں اس طرح فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔

"پس ہم اس آزادیٔ مذہب کے ہوتے ہوئے جو ہمیں دستورِ پاکستان میں دی گئی ہے اپنے آپ کو کس طرح راستی اور دیانتداری کے ساتھ غیر مسلم لکھ سکتے ہیں۔ ہم خود کو احمدی لکھ سکتے ہیں لیکن غیر مسلم نہیں لکھ سکتے اس بات کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ دستور یا قانون کی اغراض کے لیے ہمیں مسلمان نہیں سمجھا گیا خود ہمیں قانوناً مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھیں"۔

دستور ساز اسمبلی کے اس فیصلے کے بارے میں اسی نوعیت کے باغیانہ خیالات کا اظہار چودھری ظفراللہ بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں بلکہ مختلف اخبارات میں اس فیصلے کے متعلق ان کے جو بیانات اور تاثرات شائع ہوئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے یہ بات بادنیٰ تامل سمجھی جا سکتی ہے کہ مندرجہ بالا وضاحت بھی ان کی ذہنی اپج کا نتیجہ ہے۔ ہم اس وضاحت پر کچھ عرض کرنے سے پیشتر محترم وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ براہِ کرم وہ اس بات کی صراحت فرمائیں کہ کیا ان کی تقریر کے محولہ بالا الفاظ کا یہی منشا ہے جن کا سہارا لے کر قادیانی قومی اسمبلی کے فیصلے سے انحراف کی جرأت کر رہے ہیں۔ ان کی تقریر کا آج تک یہی مطلب سمجھا جاتا رہا کہ انہوں نے قادیانیوں کو بحیثیت ایک غیر مسلم اقلیت جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا ہے لیکن اس وضاحت سے یہ نکتہ پہلی بار ہمارے سامنے کھلا ہے کہ وزیرِ اعظم کی یہ تقریر مرزا غلام احمد کے متبعین کے جان و مال کے تحفظ کی یقین دہانی نہیں بلکہ اُن کے عقائد کے تحفظ کا بھی عہد و پیمان ہے۔ ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر محترم وزیرِ اعظم کا منشا یہی تھا تو پھر قومی اسمبلی کے ذریعے مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بکھیڑے کی کیا ضرورت تھی۔ مسلم عوام نے تو انہیں ہمیشہ دائرہ اسلام سے خارج ہی سمجھا ہے اور انہیں کبھی مسلمانوں کے زمرہ میں شامل نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ان کا جو کچھ مطالبہ تھا وہ یہی تھا کہ چونکہ یہ لوگ دینی اعتبار سے ایک الگ اُمت ہیں جو اُمتِ محمدیہ سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس کی باغی ہے اس لیے انہیں قانونی اعتبار سے بھی مسلمانوں سے الگ ہو جانا چاہیے تاکہ نبی آخر الزمان پر

ایمان لانے والوں کا ملی تشخص برقرار رہ سکے۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ اتنا معقول تھا کہ خود قادیانی برطانوی عہد حکومت میں اس بات کا تقاضا کرتے رہے کہ انہیں مسلمانوں سے الگ ملت کی حیثیت سے تسلیم کر کے اُن کے حقوق کے تحفظ کا التزام کیا جائے۔ انگریز چونکہ ان کی مدد سے اُمّتِ مسلمہ کے اندر نقب لگانا چاہتا تھا اس لیے اس نے انہیں مسلمانوں کے ساتھ چپکائے رکھنے پر اصرار کیا اور قادیانیوں کو بھی جب اس حکمت عملی کے فوائد نظر آئے کہ کس طرح وہ ایک حقیر سی اقلیت ہونے کے باوجود مسلمانوں کے حقوق پر بڑی کامیابی سے ڈاکہ ڈال سکتے ہیں تو انہوں نے قانونی طور پر اپنی الگ حیثیت متعین کرواتے کا مطالبہ ترک کر دیا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اندر اسی مکر و فریب کے ساتھ گھسے رہے جس دجل کے ساتھ کوئی بدقماش شخص پولیس سے ساز باز کرنے کے بعد کسی شریف گھرانے کے اندر بالجبر گھس کر رہنا شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے تکلیف اسے تو نہیں ہوتی بلکہ ان شرفا کو ہوتی ہے جن پر اُسے زبردستی ٹھونسا جاتا ہے اور جو اس کی چیرہ دستیوں کا ہدف بنتے ہیں۔ یہی مظلوم اس بات کے لیے فکرمند ہوتے ہیں کہ کسی طرح انہیں اس ظالم سے نجات حاصل ہو۔ اسی نوعیت کے ذہنی اضطراب کے ساتھ مسلمان بھی ہر دور میں اس بات کا مطالبہ کرتے رہے کہ کسی طرح مرزا غلام احمد کے متبعین سے انہیں چھٹکارا دلایا جائے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے بارہا کوششیں کیں جو گذشتہ سال بار آور ہوئیں اور قومی اسمبلی نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ مرزا غلام احمد کے ماننے والے مسلمانوں سے الگ اُمّت ہیں لیکن ان لوگوں کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ ملکی قانون کی اطاعت کا دم بھرنے کے باوجود اسے ماننے سے صاف انکار کر رہے ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ اُمّت کے حصار کے اندر رہ کر انہیں اس میں نقب لگانی ہے۔ اُن کی یہ روش اگر پاکستان کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر افسوس ہے کہ حکومت اس باغیانہ طرزِ عمل کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہی ہے۔ ہم یہ سوچ کر سخت کرب محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس ملک کے حکمران سیاسی اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالفین کی آزادی سلب کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اگر بانیٔ پاکستان کے استخفاف یا سربراہ مملکت کی توہین اس ملک میں قابلِ تعزیر جرم ہے تو آخر سیدالانبیاء ختم المرسلین کے خلاف بغاوت کو کیوں ایک سنگین جرم نہیں سمجھا جاتا درآنحالیکہ سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے اسے ایک سنگین جرم تسلیم کر کے اس کا ارتکاب کرنے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے اختتام کا عقیدہ کوئی علم الکلام کی بحث نہیں جس میں تاویل و تعبیر کی گنجائش ہو بلکہ یہ ایمان اور مسلم معاشرے سے انسان کے تعلق کی بنیاد ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے دینی مقتضیات کے ساتھ جو قرآن اور سنت میں موجود

ہیں اور جن کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے ماننے سے انکار کرتا ہے، اُمت محمدیہ کا باغی ہے۔ عقائد و اعمال میں کوئی جزوی اشتراک کسی فرد یا گروہ کو اُمت مسلمہ سے وابستہ نہیں کرسکتا اور جو لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ وہ خدا، آخرت اور نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے انہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ان کی یہ بات درست ہے تو پھر وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا انکار کرنے والوں کو غیر مسلم کیوں گردانتے ہیں اور ان کی تکفیر کے معاملے میں اُن کی شدت کا یہ انداز کیوں ہے کہ وہ کسی ایسے بچے کی نماز جنازہ پڑھنے پر بھی تیار نہیں ہوسکتے جس کے والدین مرزا صاحب کے متبع نہ ہوں۔

ہم جہاں حکومت سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے ماننے والوں کے بارے میں جو قانون اس نے پاس کیا ہے اس کا اچھی طرح نفاذ کرے وہاں خود اس جماعت سے بھی گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرے۔ ایک مسلم حکومت نے انہیں اُمت مسلمہ سے الگ کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ مسلمانوں کے ایک دیرینہ دینی اور ملی مطالبے اور مرزا صاحب کے متبعین کے معتقدات کا بالکل طبعی نتیجہ ہے۔ اس مطالبہ کو ٹالا تو جاسکتا تھا لیکن اسے بہر طور ایک نہ ایک دن تسلیم کیا ہی جانا تھا۔ سخت ناداں ہے وہ شخص جو کسی عمل کے محرک اور سبب کو تو تسلیم کرے لیکن جب اس عمل کے فطری نتائج سامنے آئیں تو پھر وہ "میں نہ مانوں" کی رٹ لگانے لگے۔ کیا اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے اصلاح احوال کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے؟

---

حکومت پاکستان صبح و شام خدمتِ اسلام کے جس قدر بلند بانگ دعوے کرتی ہے ان کی روشنی میں اگر اس ملک میں اسلام کے عملی نفاذ کا جائزہ لیا جائے تو سخت مایوسی ہوتی ہے بلکہ یوں احساس ہوتا ہے کہ حکومت اسلام کے ساتھ شرمناک مذاق کر رہی ہے۔ ارباب بست و کشاد اس ملک میں اسلام کی سربلندی کے لیے کس حد تک مخلص ہیں اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس نصاب کمیٹی کی کارکردگی سے لگایا جاسکتا ہے جو پورے ملک میں یکساں نصاب رائج کرنے کے لیے مرکزی وزارتِ تعلیم کے تحت قائم کی گئی ہے اور جس نے سب سے نمایاں "کارنامہ" یہ سرانجام دیا ہے کہ مجوزہ نصاب سے اسلامیات کا مضمون خارج کرکے اس کی جگہ موسیقی کو داخل کیا ہے۔ نصاب کمیٹی کی اس مذموم حرکت پر جب پورے ملک میں شدید ردّ عمل ہوا تو مرکزی وزیر تعلیم نے ازراہ کرم یہ اعلان فرمایا کہ اسلامیات کو نصاب سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک اصل مسئلہ یہ نہیں کہ حکومت نے عوامی مطالبے کو تسلیم کرلیا ہے بلکہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں آخر ارباب حکومت کو اپنی (باقی اشارات بر صفحہ ۵۰)

# فصل چہارم

# آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

## (۴)

**آخرت کی عدالت میں ناقابلِ انکار شہادتوں سے اُس کے اعمال کا ثبوت پیش کیا جائے گا**

لیکن قرآن مجید میں تصریح فرمائی گئی کہ آخرت میں فیصلہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے ذاتی علم کی بنا پر نہ کرے گا بلکہ وہ ہر شخص کے اعمال کا مفصل اور مکمل اور نہایت صحیح ریکارڈ تیار کرا رہا ہے، اور عدالتِ الٰہی میں ایسی شہادتیں آدمی کے اعمال کے بارے میں پیش کی جائیں گی جن کا انکار کسی طرح ممکن نہ ہوگا۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔ (قٓ - ۱۷-۱۸)

دو کاتب اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم خود براہِ راست انسان کی حرکات و سکنات اور اُس کے خیالات کو جانتے ہیں، دوسری طرف ہر انسان پر دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کر رہے ہیں اور اس کا کوئی قول و فعل ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اللہ کی عدالت میں انسان کی پیشی ہوگی اُس وقت اللہ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ کون کیا کر کے آیا ہے، اور اس پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اُس کے اعمال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے۔ یہ دستاویزی ثبوت کس نوعیت کا ہوگا، اس کا ٹھیک تصور کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے۔ مگر جو حقائق آج ہمارے سامنے آ رہے ہیں انہیں دیکھ کر یہ بات بالکل یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس فضا میں انسان رہتا ہے اور کام کرتا ہے اُس میں ہر طرف اُس کی آوازیں، اُس کی تصویریں اور اس کی حرکات و سکنات کے نقوش ذرّے ذرّے پر ثبت ہو رہے ہیں اور ان

میں سے ہر چیز کو بعینہٖ انہی شکلوں اور آوازوں میں دوبارہ اِس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ آج انسان یہ کام نہایت ہی محدود پیمانے پر آلات کی مدد سے کر رہا ہے۔ لیکن خدا کے فرشتے نہ اِن آلات کے محتاج ہیں نہ اِن قیود سے مقیّد۔ انسان کا اپنا جسم اور اس کے گردوپیش کی ہر چیز اُن کی ٹیپ اور اُن کی فلم ہے جس پر وہ ہر آواز اور ہر تصویر کو اس کی نازک ترین تفصیلات کے ساتھ جُوں کی تُوں ثبت کر سکتے ہیں اور قیامت کے روز آدمی کو اس کے اپنے کانوں سے اُس کی اپنی آواز میں اس کی وہ باتیں سنوا سکتے ہیں جو وہ دنیا میں کرتا تھا، اور اُس کی اپنی آنکھوں سے اس کے اپنے تمام کرتوتوں کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا سکتے ہیں جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لیے ممکن نہ رہے۔

اِس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کر کے اُس کو سزا دے گا۔ اسی لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے تاکہ اُس کی کارگزاریوں کا پورا ثبوت ناقابلِ انکار شہادتوں سے فراہم ہو جائے۔

| | |
|---|---|
| وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا | حالانکہ تم پر نگراں مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب |
| كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ | جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔ |

(الانفطار ۱۰ تا ۱۲)

یعنی تم لوگ دارالجزاء کا انکار کرو یا اُس کو جھٹلاؤ یا اُس کا مذاق اڑاؤ، اس سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں دنیا میں شترِ بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس نے تم میں سے ایک ایک آدمی پر نہایت راستباز نگراں مقرر کر رکھے ہیں جو بالکل بے لاگ طریقے سے تمہارے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں اور ان سے تمہارا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے، خواہ تم اندھیرے میں، خلوتوں میں، سنسان جنگلوں میں، یا اور کسی ایسی حالت میں اُس کا ارتکاب کرو جہاں تمہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ نگاہِ خلق سے مخفی رہ گیا ہے۔ ان نگراں فرشتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی ایسے کاتب جو کریم (نہایت بزرگ اور معزز) ہیں۔ کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلافِ واقعہ ریکارڈ تیار کر دیں۔ خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر بطورِ خود غلط سلط اندراجات

کرلیں۔ رشوت خوار بھی نہیں ہیں کہ کچھ لے دے کرکسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کردیں۔ اُن کا مقام اِن ساری اخلاقی کمزوریوں سے بلند ہے، اس لیے نیک و بد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ ہرایک کی نیکی بے کم و کاست ریکارڈ ہوگی، اور کسی کے ذمہ کوئی ایسی بدی نہ ڈال دی جائے گی جو اس نے نہ کی ہو۔ پھر ان فرشتوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ "جو کچھ تم کرتے ہو اُسے وہ جانتے ہیں"۔ یعنی ان کا حال دنیا کی سی آئی ڈی اور اطلاعات (INTELLIGENCE) کی ایجنسیوں جیسا نہیں ہے کہ ساری تگ و دو کے باوجود بہت سی باتیں ان سے چھپی رہ جاتی ہیں۔ وہ ہرایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اِس طرح لگے ہوئے ہیں کہ اُسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور انہیں یہ تک معلوم ہوتا ہے کہ کس شخص نے کس نیت سے کوئی کام کیا ہے۔ اس لیے اُن کا مرتب کردہ ریکارڈ ایک مکمل ریکارڈ ہے جس میں درج ہونے سے کوئی بات رہ نہیں گئی ہے۔ اِسی کے متعلق سورۂ کہف آیت ۴۹ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے روز مجرمین یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ان کا جو نامۂ اعمال پیش کیا جارہا ہے اس میں کوئی چھوٹی یا بڑی بات درج ہونے سے نہیں رہ گئی ہے، جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب جُوں کا تُوں ان کے سامنے حاضر ہے۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۔

(الزلزال ۲ تا ۵)

اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی، اور انسان کہے گا کہ یہ اِس کو کیا ہو رہا ہے؟ اُس روز وہ اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی، کیونکہ تیرے رب نے اُسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا۔

یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ اِنشقاق آیت ۴ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ "اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی"۔ اس کے کئی مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں جہاں جس شکل اور جس حالت میں بھی پڑے ہوں گے اُن سب کو وہ نکال کر باہر ڈال دے گی، اور بعد کا فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت اُن کے جسم کے تمام بکھرے ہوئے اجزاء جمع ہو کر از سرِ نو اُسی شکل و صورت میں زندہ ہو جائیں گے جس میں وہ پہلی زندگی کی حالت میں تھے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو اور وہ بالکل ہی نئے آدمی ہوں تو وہ یہ کیسے کہیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہو رہا ہے۔ نئے

آدمیوں نے زمین کی پہلی حالت کو دیکھا ہی کب ہوگا کہ وہ یہ کہہ سکیں؟ دوسرا مطلب یہ ہے کہ صرف مرے ہوئے انسانوں ہی کو وہ باہر نکال پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی، بلکہ ان کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے اُس سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اِس پر بعد کا یہ فقرہ دلالت کرتا ہے کہ زمین اپنے اُوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی۔ تیسرا مطلب بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سونا، چاندی، جواہر اور ہر قسم کی دولت جو زمین کے پیٹ میں ہے اس کے بھی ڈھیر کے ڈھیر وہ باہر نکال کر رکھ دے گی اور انسان دیکھے گا کہ یہی ہیں وہ چیزیں جن پر وہ دنیا میں مرا جاتا تھا، جن کی خاطر اُس نے قتل کیے، حق داروں کے حقوق مارے، چوریاں کیں، ڈاکے ڈالے، خشکی اور تری میں قزاقیاں کیں، جنگ کے معرکے برپا کیے، اور پوری پوری قوموں کو تباہ کر ڈالا۔ آج وہ سب کچھ سامنے موجود ہے اور اُس کے کسی کام کا نہیں بلکہ الٹا اس کے لیے عذاب کا سامان بنا ہوا ہے۔

دوسرے فقرے میں انسان سے مراد ہر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ زندہ ہو کر ہوش میں آتے ہی پہلا تاثر ہر شخص پر یہی ہوگا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے، بعد میں اُس پر یہ بات کھلے گی کہ یہ روزِ حشر ہے۔ اور انسان سے مراد آخرت کا منکر انسان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جس چیز کو وہ غیر ممکن سمجھتا تھا وہ اس کے سامنے برپا ہو رہی ہوگی اور وہ اس پر حیران و پریشان ہوگا، رہے اہلِ ایمان تو انھیں کوئی حیرانی و پریشانی نہ ہوگی، اس لیے کہ سب کچھ ان کے عقیدہ و یقین کے مطابق ہو رہا ہوگا۔

تیسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ زمین اپنے حالات سنائے گی، کیونکہ اس کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا "جانتے ہو اس کے وہ حالات کیا ہیں"؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا "وہ حالات یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اُس عمل کی گواہی دے گی جو اس کی پیٹھ پر اُس نے کیا ہوگا۔ وہ کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں کام کیا تھا۔ یہ ہیں وہ حالات جو زمین بیان کرے گی" (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی فی الشعب)۔ حضرت ربیعۃ الجرشی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمھاری جڑ بنیاد ہے اور اِس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، خواہ اچھا ہو یا برا" (معجم الطبرانی)۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز زمین ہر اُس عمل کو لے آئے گی جو اس کی

پیٹھ پر کیا گیا ہوگا"۔ پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائیں (ابن مَرْدُوْیَہ۔ بَیْہَقی)۔حضرت علیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سب روپیہ اہلِ حقوق میں تقسیم کر کے اُسے خالی کر دیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر فرماتے "تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا"۔

زمین کے متعلق یہ بات کہ وہ قیامت کے روز اپنے اوپر گذرے ہوئے سب حالات اور واقعات بیان کرے گی، قدیم زمانے کے آدمی کے لیے تو بڑی حیران کن ہوگی کہ آخر زمین کیسے بولنے لگے گی۔لیکن آج علوم طبیعی کے انکشافات اور سینما، لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈر، الکٹرانکس وغیرہ ایجادات کے اِس دور میں یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی۔ انسان اپنی زبان سے جو کچھ بولتا ہے اُس کے نقوش ہوا میں، ریڈیائی لہروں میں، گھروں کی دیواروں اور اُن کے فرش اور چھت کے ذرّے ذرّے میں، اور اگر کسی سڑک یا میدان یا کھیت میں آدمی نے بات کی ہو تو اُن سب کے ذرّات میں ثبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے ان ساری آوازوں کو ٹھیک اُسی طرح ان چیزوں سے دُہروا سکتا ہے جس طرح کبھی وہ انسان کے منہ سے نکلی تھیں۔ انسان اپنے کانوں سے اُس وقت سُن لے گا کہ یہ اُس کی اپنی ہی آوازیں ہیں۔ اور اُس کے سب جاننے والے پہچان لیں گے کہ جو کچھ وہ سُن رہے ہیں وہ اُسی شخص کی آواز اور اُسی کا لہجہ ہے۔ پھر انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اُس کی ایک ایک حرکت کا عکس اُس کے گرد وپیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے اور اس کی تصویر اُن پر نقش ہو چکی ہے۔ بالکل گھُپ اندھیرے میں بھی اُس نے کوئی فعل کیا ہو تو خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لیے اندھیرا اور اُجالا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہیں۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے روز ایک متحرک فلم کی طرح انسان کے سامنے آجائیں گی اور یہ دکھا دیں گی کہ وہ زندگی بھر کس وقت، کہاں کہاں کیا کچھ کرتا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو براہِ راست خود جانتا ہے، مگر آخرت میں جب وہ عدالت قائم کرے گا تو جس کو بھی سزا دے گا، انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے دے گا۔ اُس کی عدالت میں ہر مجرم انسان کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا جائے گا اُس کو ایسی کھُلی شہادتوں سے ثابت کر دیا جائے گا کہ اُس کے مجرم ہونے میں کسی کلام کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ سب سے پہلے تو وہ نامۂ اعمال ہے جس میں ہر وقت اُس کے ساتھ لگے ہوئے کراماً کاتبین اُس کے ایک ایک قول اور فعل کا ریکارڈ درج کر رہے ہیں۔ یہ نامۂ اعمال

اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ "پڑھ اپنا کارنامۂ حیات، اپنا حساب لینے کے لیے تو خود کافی ہے" (بنی اسرائیل - ۱۴) - انسان اسے پڑھ کر حیران رہ جائے گا کہ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں ٹھیک ٹھیک درج نہ ہو (الکہف - ۴۹) - اس کے بعد انسان کا اپنا جسم ہے جس سے اس نے دنیا میں کام لیا ہے - اللہ کی عدالت میں اس کی اپنی زبان شہادت دے گی کہ اس سے وہ کیا کچھ بولتا رہا ہے، اس کے اپنے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے کہ ان سے کیا کیا کام اس نے لیے (النور - ۲۴) - اس کی آنکھیں شہادت دیں گی کہ ان سے اس نے کیا کچھ دیکھا - اس کے کان شہادت دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کچھ سنا - اس کے جسم کی پوری کھال اس کے افعال کی شہادت دے گی - وہ حیران ہو کر اپنے اعضا سے کہے گا کہ تم بھی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ اس کے اعضا جواب دیں گے کہ آج جس خدا کے حکم سے ہر چیز بول رہی ہے اسی کے حکم سے ہم بھی بول رہے ہیں (حٰم السجدہ - ۲۰ تا ۲۲) - اس پر مزید وہ شہادتیں ہیں جو زمین اور اس کے پورے ماحول سے پیش کی جائیں گی جن میں آدمی اپنی آوازیں خود اپنے کانوں سے سنے گا اور اپنی حرکات کی ہوبہو تصویریں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا - اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ انسان کے دل میں جو خیالات، ارادے اور مقاصد چھپے ہوئے تھے، اور جن نیتوں کے ساتھ اس نے اعمال کیے تھے وہ بھی نکال کر سامنے رکھ دیے جائیں گے جیسا کہ سورۂ عادیات میں بیان کیا گیا ہے - یہی وجہ ہے کہ اتنے قطعی اور صریح اور ناقابل انکار ثبوت سامنے آجانے کے بعد انسان دم بخود رہ جائے گا اور اس کے لیے اپنی معذرت میں کچھ کہنے کا موقع باقی نہ رہے گا جیسا کہ سورۂ المرسلات، آیات ۳۵-۳۶ میں ارشاد ہوا ہے -

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا

(الکہف ۴۹)

اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا - اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ "ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری چھوٹی یا بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو" جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا -

یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ کسی نے کوئی جرم نہ کیا ہو اور وہ خواہ مخواہ اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ آدمی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دی جائے، یا بے گناہ کو پکڑ کر سزا دے ڈالی جائے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۔ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ

(القمر ۵۲-۵۳)

جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفتروں میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔

یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ان کا کیا دھرا کہیں غائب ہوگیا ہے۔ نہیں، ہر شخص، ہر گروہ، اور ہر قوم کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آجائے گا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(المجادلہ۔ ۶)

(یہ ذلت کا عذاب ہونا ہے) اُس دن جب اللہ اُن سب کو پھر سے زندہ کرکے اُٹھائے گا اور اُنہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کرکے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔

یعنی اُن کے بھول جانے سے معاملہ رفت گذشت نہیں ہوگیا ہے۔ اُن کے لیے خدا کی نافرمانی اور اُس کے احکام کی خلاف ورزی ایسی معمولی چیز ہوسکتی ہے کہ اُس کا ارتکاب کرکے اسے یاد تک نہ رکھیں، بلکہ اسے کوئی قابلِ اعتراض چیز ہی نہ سمجھیں کہ اُس کی کچھ پروا اُنہیں ہو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اُس کے ہاں اُن کا ہر کرتوت نوٹ ہوچکا ہے۔ کس شخص نے، کب، کہاں، کس غرض سے، کیا حرکت کی، اُس حرکت کے بعد اُس کا اپنا ردِّ عمل کیا تھا، اور اس کے کیا نتائج، کہاں کہاں، کس کس شکل میں برآمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

(یٰسٓ ۔ ۶۵)

آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔

یہ حکم اُن ہیکڑ مجرموں کے معاملہ میں دیا جائے گا جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کریں گے، گواہیوں کو بھی جھٹلا دیں گے، اور نامۂ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہ کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اچھا، اپنی بکواس بند کرو اور دیکھو کہ تمہارے اپنے اعضائے بدن تمہارے کرتوتوں کی کیا روداد سُناتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ | وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی |
| وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا | زبانیں اور اُن کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں |
| كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ (النور-۲۴) | کی گواہی دیں گے۔ |

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو سورۂ یٰس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کے منہ بند کر دیں گے، اور دوسری طرف سورۂ نور کی اس آیت میں فرماتا ہے کہ اُن کی زبانیں گواہی دیں گی۔ اِن دونوں باتوں میں تطابق کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منہ بند کر دینے سے مراد اُن کا اختیارِ کلام سلب کر لینا ہے، یعنی اس کے بعد وہ اپنی زبان سے اپنی مرضی کے مطابق بات نہ کر سکیں گے۔ اور زبانوں کی شہادت سے مُراد یہ ہے کہ اُن کی زبانیں خود یہ داستان شروع کر دیں گی کہ ہم سے ان ظالموں نے کیا کام لیا تھا، کیسے کیسے کُفر بکے تھے، کیا کیا جھوٹ بولے تھے، کیا کیا فتنے برپا کیے تھے، اور کس کس موقع پر انہوں نے ہمارے ذریعہ سے کیا باتیں کی تھیں۔

| | |
|---|---|
| حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ | پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے |
| عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ | کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کے جسم کی کھالیں ان پر |
| وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ | گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ |
| وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ | اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے "تم نے ہمارے |
| عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي | خلاف کیوں گواہی دی؟" وہ جواب دیں گی "ہمیں |
| أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ | اُسی خدا نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر |
| أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ | دیا ہے۔" اُسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی |
| (حم السجدہ - ۲۰-۲۱) | کی طرف تم پلٹائے جا رہے ہو۔ |

احادیث میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ جب کوئی ہیکڑ مجرم اپنے جرائم کا انکار ہی کرتا چلا جائے گا اور تمام شہادتوں کو بھی جھٹلانے پر تُل جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے جسم کے اعضاء ایک ایک

کرکے شہادت دیں گے کہ اُس نے ان سے کیا کیا کام لیے تھے۔ یہ مضمون حضرت انسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو سعید خُدریؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بزّار وغیرہ محدثین نے ان روایات کو نقل کیا ہے۔

یہ آیت منجملہ اُن بہت سی آیات کے ہے جن سے یہ ثابت ہوتا کہ عالمِ آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا بلکہ انسان وہاں دوبارہ اُسی طرح جسم و رُوح کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے جس طرح وہ اب دنیا میں ہیں، بلکہ اُن کو جسم بھی وہی دیا جائے گا جس میں اب وہ رہتے ہیں۔ وہی تمام اجزاء اور جواہر (ATOMS) جن سے اُن کے بدن اِس دنیا میں مرکب تھے، قیامت کے روز جمع کر دیے جائیں گے اور وہ اپنے اُنہی سابق جسموں کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے جن کے اندر رہ کر وہ دنیا میں کام کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے اعضاء وہاں اُسی صورت میں تو گواہی دے سکتے ہیں جبکہ وہ وہی اعضاء ہوں جن سے اُس نے اپنی پہلی زندگی میں جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس مضمون پر قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیات بھی دلیلِ قاطع ہیں: بنی اسرائیل، آیات ۴۹ تا ۵۱-۹۸ المومنون، ۳۵ تا ۳۸-۸۲-۸۳- النور، ۲۴- السجدہ، ۱۰- یٰسٓ، ۶۵-۷۸-۷۹، الصّافّات، ۱۶ تا ۱۸- الواقعہ، ۴۷ تا ۵۰- النّازعات، ۱۰ تا ۱۴-

| | |
|---|---|
| اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ؕ وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ۔ (یٰسٓ - ۱۲) | ہم یقیناً ایک روز مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ جو کچھ افعال انہوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کھُلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔ |

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا بُرا عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنے گرد و پیش کی اشیاء اور خود اپنے جسم کے اعضاء پر جو نقوش (IMPRESSIONS) بھی انسان مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں، اور یہ سارے نقوش ایک وقت اِس طرح اُبھر آئیں گے کہ اُس کی اپنی آواز سُنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوحِ ذہن پر لکھی نظر آئے گی، اور اس کے ایک ایک اچھے اور بُرے فعل اور اس کی تمام حرکات و سکنات کی تصویریں سامنے آ جائیں گی۔ تیسرے، اپنے مرنے کے بعد اپنی

آئندہ نسل پر، اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے - اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بُری تربیت اُس نے دی ہے، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا بُرائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں، اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا بُرے پھل لاتی رہے گی۔

| | |
|---|---|
| وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ | اُس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا دیکھو گے۔ |
| اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ | ہر گروہ کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامۂ اعمال |
| تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ | دیکھے۔ ان سے کہا جائے گا: "آج تم لوگوں کو ان اعمال |
| هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ | کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے - یہ ہمارا |
| بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ | تیار کرایا ہوا نامۂ اعمال ہے جو تمہارے اُوپر ٹھیک |
| مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ | ٹھیک شہادت دے رہا ہے - جو کچھ بھی تم کرتے تھے |
| (الجاثیہ ۲۸-۲۹) | اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے۔" |

لکھوانے کی صرف یہی ایک ممکن صورت نہیں ہے کہ کاغذ پر قلم سے لکھوایا جائے - انسانی اقوال و افعال کو ثبت کرنے اور دوبارہ اُن کو بعینہٖ اُسی شکل میں پیش کر دینے کی متعدد دوسری صورتیں اسی دنیا میں خود انسان دریافت کر چکا ہے، اور ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ آگے اس کے اور کیا امکانات پوشیدہ ہیں جو کبھی انسان ہی کی گرفت میں آجائیں گے - اب یہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات، اور اس کی حرکات و سکنات میں سے ایک ایک چیز اور اُس کی نیتوں اور ارادوں اور خواہشات اور خیالات میں سے ہر مخفی سے مخفی شے کو ثبت کرا رہا ہے، اور کس طرح وہ ہر آدمی، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا کارنامۂ حیات بے کم و کاست اس کے سامنے لا کر رکھ دے گا۔

| | |
|---|---|
| وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ | اور جب رسولوں کی حاضری کا وقت آپہنچے گا۔ |
| (المرسلات - ۱۱) | |

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ میدانِ حشر میں جب نوعِ انسانی کا مقدمہ پیش ہوگا تو ہر قوم کے رسول کو شہادت کے لیے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ اس امر کی گواہی دے کہ اُس نے اللہ کا

پیغام اُن لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ یہ گمراہوں اور مجرموں کے خلاف اللہ کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی حجّت ہوگی جس سے یہ ثابت کیا جائے گا کہ وہ اپنی غلط روش کے خود ذمہ دار ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خبردار کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ مثال کے طور پر حسبِ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، آیات ۱۷۲، ۱۷۳۔ حواشی ۱۳۴، ۱۳۵۔ جلد چہارم، الزّمر، آیت ۶۹، حاشیہ ۸۰۔ جلد ششم، الملک، آیت ۸۔ حاشیہ ۱۴۔

| | |
|---|---|
| وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ | اور کتابِ اعمال لاکر رکھ دی جائے گی، انبیاءؑ |
| بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ | اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان |
| بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا | ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور |
| یُظْلَمُوْنَ (الزّمر ۶۹) | اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ |

انبیاء تو اس امر کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ان کے سوا دوسرے گواہوں سے مراد وہ گواہ بھی ہیں جو اِس بات کی شہادت دیں گے کہ انبیاء کے بعد لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا، اور وہ گواہ بھی جو لوگوں کے اعمال کی شہادت پیش کریں گے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ گواہ صرف انسان ہی ہوں۔ فرشتے اور جن اور حیوانات اور انسانوں کے اپنے اعضاء اور در و دیوار اور شجر و حجر، سب ان گواہوں میں شامل ہوں گے۔

| | |
|---|---|
| اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ | تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں میں |
| مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ | جو کچھ (مدفون) ہے اُسے نکال لیا جائے گا، اور |
| مَا فِی الصُّدُوْرِ | سینوں میں جو کچھ (مخفی) ہے اُسے برآمد کر کے اس |
| (العٰدیٰت ۹-۱۰) | کی جانچ پڑتال کی جائے گی؟ |

یعنی مرے ہوئے انسان جہاں جس حالت میں بھی پڑے ہوں گے وہاں سے اُن کو نکال کر زندہ انسانوں کی شکل میں اُٹھا لایا جائے گا۔ اور دلوں میں جو ارادے اور نیتیں، جو اغراض و مقاصد، جو خیالات و افکار اور ظاہری افعال کے پیچھے جو محرکات (MOTIVES) چھپے ہوئے ہوں گے وہ سب کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔ اور ان کی جانچ پڑتال کر کے اچھائی کو الگ اور بُرائی کو الگ چھانٹ دیا جائے گا۔ بالفاظِ دیگر فیصلہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ کر نہیں کیا جائے گا کہ انسان نے عملاً کیا کچھ کیا، بلکہ دلوں میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی

نکال کر یہ دیکھا جائے گا کہ جو کام انسان نے کیے وہ کس نیت سے اور کس غرض سے کیے۔ اس بات پر اگر غور کیا جائے تو انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اصلی اور مکمل انصاف خدا کی عدالت کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے لادینی قوانین بھی اصولی حیثیت سے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کے محض ظاہری فعل کی بنا پر اسے سزا نہ دی جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ اس نے کس نیت سے وہ فعل کیا ہے۔ لیکن دنیا کی کسی عدالت کے پاس بھی وہ ذرائع نہیں ہیں جن سے وہ نیت کی ٹھیک ٹھیک تحقیق کر سکے۔ یہ صرف اور صرف خدا ہی کر سکتا ہے کہ انسان کے ہر ظاہری فعل کے پیچھے جو باطنی محرکات کار فرما رہے ہیں ان کی بھی جانچ پڑتال کرے اور اس کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ وہ کس جزا یا سزا کا مستحق ہے۔ پھر آیت کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فیصلہ محض اللہ کے اُس علم کی بنا پر نہیں ہوگا جو وہ دلوں کے ارادوں اور نیتوں کے متعلق پہلے ہی سے رکھتا ہے، بلکہ قیامت کے روز ان رازوں کو کھول کر علانیہ سامنے رکھ دیا جائے گا اور کھلی عدالت میں جانچ پڑتال کر کے یہ دکھا دیا جائے گا کہ ان میں خیر کیا تھی اور شر کیا تھا۔ اسی لیے حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تحصیل کے معنی کسی چیز کو نکال کر باہر لانے کے بھی ہیں، مثلاً چھلکا اتار کر مغز نکالنا۔ اور مختلف چیزوں کو چھانٹ کر ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لہٰذا دلوں کے اسرار کی تحصیل میں یہ دونوں معنی شامل ہیں۔ ان کو کھول کر ظاہر کر دینا بھی اور ان کو چھانٹ کر برائی اور بھلائی کو الگ کر دینا بھی۔

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ، وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ (الطارق۔ ۹ تا ۱۴) | جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔ قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی اور (نباتات اُگتے وقت) پھٹ جانے والی زمین کی، یہ ایک جچی تلی بات ہے، ہنسی مذاق نہیں ہے۔ |

پوشیدہ اسرار سے مراد ہر شخص کے وہ اعمال بھی ہیں جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے، اور وہ معاملات بھی ہیں جو اپنی ظاہری صورت میں تو دنیا کے سامنے آئے مگر اُن کے پیچھے جو نیتیں اور اغراض اور خواہشات کام کر رہی تھیں، ان کے جو باطنی محرکات تھے اُن کا حال لوگوں سے چھپا رہ گیا۔ قیامت کے روز یہ سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا اور جانچ پڑتال صرف اسی بات کی نہیں ہوگی کہ کس شخص نے کیا کچھ کیا، بلکہ

اس بات کی بھی ہوگی کہ کس وجہ سے کیا، کیا غرض اور کس نیت اور کس مقصد سے کیا۔ اِسی طرح یہ بات بھی ساری دُنیا سے، حتیٰ کہ خود ایک فعل کرنے والے انسان سے بھی مخفی رہ گئی ہے کہ جو فعل اس نے کیا اُس کے کیا اثرات دنیا میں ہوئے، کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک چلتے رہے۔ یہ راز بھی قیامت ہی کے روز کُھلے گا اور اُس کی پوری جانچ پڑتال ہوگی کہ جو بیج کوئی شخص دنیا میں بو گیا تھا اُس کی فصل کس کس شکل میں کب تک کٹتی رہی اور کون کون اسے کاٹتا رہا۔

آخری فقروں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین کا شق ہو کر نباتات اپنے اندر سے اُگلنا کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اُسی طرح قرآن جس چیز کی خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خدا کی طرف پلٹنا ہے، یہ بھی کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے بلکہ ایک دو ٹوک بات ہے، ایک سنجیدہ حقیقت ہے، ایک اٹل قولِ حق ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

| | |
|---|---|
| يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ. بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۰ (القیامہ۔ ۱۳ تا ۱۵) | اُس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ |

اصل الفاظ میں بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ یہ بڑا جامع فقرہ ہے جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، اور غالباً وہ سب ہی مراد ہیں۔ ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ آدمی کو اُس روز یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ اپنی دُنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے کیا نیکی یا بدی کما کر اُس نے اپنی آخرت کے لیے آگے بھیجی تھی اور یہ حساب بھی اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا کہ اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے کیا اثرات وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا تھا جو اُس کے بعد مُدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں میں چلتے رہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اُسے وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو اسے کرنا چاہیے تھا مگر اُس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہ کرنا چاہیے تھا وہ اُس نے کر ڈالا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اُس نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اُس کا پورا حساب تاریخ وار اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں کہ جو نیکی یا بدی اُس نے کی وہ بھی اسے بتا دی جائے گی اور جس نیکی یا بدی کے کرنے سے وہ باز رہا اس سے بھی اُسے آگاہ کر دیا جائے گا۔

مگر آدمی کا نامۂ اعمال اُس کے سامنے رکھنے کی غرض درحقیقت یہ نہیں ہوگی کہ مجرم کو اس کا جُرم بتایا

جائے، بلکہ ایسا کرنا تو اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ انصاف کے تقاضے برسرِ عدالت جرم کا ثبوت پیش کیے بغیر پورے نہیں ہوتے۔ ورنہ ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے۔ اپنے آپ کو جاننے کے لیے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ اسے کوئی دوسرا بتائے کہ وہ کیا ہے۔ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن اُسے خود تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایک چور لاکھ حیلے اپنی چوری چھپانے کے لیے اختیار کر سکتا ہے، مگر اس کے اپنے نفس سے تو یہ بات مخفی نہیں ہوتی کہ وہ چور ہے۔ ایک گمراہ آدمی ہزار دلیلیں پیش کرکے لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا ہے کہ وہ جس کفر یا دہریت یا شرک کا قائل ہے وہ درحقیقت اُس کی ایماندارانہ رائے ہے، لیکن اس کا اپنا ضمیر تو اس سے بے خبر نہیں ہوتا کہ اِن عقائد پر وہ کیوں جما ہوا ہے اور ان کی غلطی سمجھنے اور تسلیم کرنے سے دراصل کیا چیز اُسے روک رہی ہے۔ ایک ظالم، ایک بددیانت، ایک بدکردار، ایک حرام خور اپنی بداعمالیوں کے لیے طرح طرح کی معذرتیں پیش کرکے خود اپنے ضمیر تک کا منہ بند کرنے کی کوشش کر سکتا ہے تاکہ وہ اسے ملامت کرنے سے باز آجائے اور یہ مان لے کہ واقعی کچھ مجبوریاں، کچھ مصلحتیں، کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود اُس کو یہ علم تو بہرحال ہوتا ہی ہے کہ اس نے کس پر کیا ظلم کیا ہے، کس کا حق مارا ہے، کس کی عصمت خراب کی ہے، کس کو دھوکا دیا ہے، اور کن ناجائز طریقوں سے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ اس لیے آخرت کی عدالت میں پیش ہوتے وقت ہر کافر، ہر منافق، ہر فاسق و فاجر اور مجرم خود جانتا ہوگا کہ وہ کیا کرکے آیا ہے اور کس حیثیت میں آج اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ (النّٰزعٰت ۳۴-۳۵)

پھر جب وہ ہنگامۂ عظیم برپا ہوگا، اس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا۔

یعنی جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبے کا دن آگیا ہے جس کی اُسے دنیا میں خبر دی جارہی تھی، تو قبل اِس کے کہ اُس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے، اُسے ایک ایک کرکے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کرکے آیا ہوگا۔ بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں جس سے موت اُن کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو اپنی پوری زندگی کی فلم اُن کی چشمِ تصور کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ | اور جہنم اُس روز سامنے لے آئی جائے گی، |
| یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ | اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی، حالانکہ اُس وقت |
| وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ یَقُوْلُ | اُس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا کہ کاش |
| یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ؕ | میں نے اپنی اِس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان |
| (الفجر ۲۳-۲۴) | کیا ہوتا۔ |

اصل الفاظ ہیں یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس روز انسان یاد کرے گا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کر کے آیا ہے اور اس پر نادم ہوگا، مگر اس وقت یاد کرنے اور نادم ہونے کا کیا فائدہ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اُس روز انسان کو ہوش آئے گا، اُسے نصیحت حاصل ہوگی، اُس کی سمجھ میں یہ بات آئے گی کہ جو کچھ اُسے انبیاء نے بتایا تھا وہی صحیح تھا اور اُن کی بات نہ مان کر اُس نے حماقت کی، مگر اُس وقت ہوش میں آنے اور نصیحت پکڑنے اور اپنی غلطی کو سمجھنے کا کیا فائدہ۔

| | |
|---|---|
| عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ | اُس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا سب |
| وَاَخَّرَتْ (الانفطار ۵) | کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔ |

اصل الفاظ ہیں مَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ۔ ان الفاظ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں اور وہ سب ہی یہاں مراد ہیں مثلاً:

۱- جو اچھا یا بُرا عمل آدمی نے کر کے آگے بھیج دیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے اور جس کے کرنے سے وہ باز رہا وہ مَا اَخَّرَتْ۔ اس لحاظ سے یہ الفاظ تقریباً انگریزی زبان کے الفاظ COMMISSION اور OMISSION کے ہم معنی ہیں۔

۲- جو کچھ پہلے کیا وہ مَا قَدَّمَتْ ہے اور جو کچھ بعد میں کیا وہ مَا اَخَّرَتْ، یعنی آدمی کا پورا نامۂ اعمال ترتیب وار اور تاریخ وار اس کے سامنے آجائے گا۔

۳- جو اچھے اور بُرے اعمال آدمی نے اپنی زندگی میں کیے وہ مَا قَدَّمَتْ ہیں اور ان اعمال کے جو آثار و نتائج وہ انسانی معاشرے میں اپنے پیچھے چھوڑ گیا وہ مَا اَخَّرَتْ۔

| | |
|---|---|
| یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ | اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ |

| | |
|---|---|
| لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ | اُن کے اعمال اُن کو دکھائے جائیں ۔ پھر جس نے |
| مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ | ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ، |
| وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا | اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو |
| يَّرَهٗ ۝ (زلزال ۶ تا ۸) | دیکھ لے گا ۔ |

پہلے فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ ہر ایک اکیلا اپنی انفرادی حیثیت میں ہوگا ۔ خاندان، جتھے، پارٹیاں، قومیں، سب بکھر جائیں گی ۔ یہ بات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی فرمائی گئی ہے ۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز لوگوں سے فرمائے گا کہ " لو اب تم ویسے ہی تنِ تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا " (آیت ۹۴) ۔ اور سورۂ مریم میں فرمایا " یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا " (آیت ۸۰) ۔ اور یہ کہ " ان میں سے ہر ایک قیامت کے روز اللہ کے حضور اکیلا حاضر ہوگا " (آیت ۹۵) ۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جو ہزارہا برس کے دوران میں جگہ جگہ مرے تھے، زمین کے گوشے گوشے سے گروہ در گروہ چلے آ رہے ہوں گے، جیسا کہ سورۂ نبأ میں فرمایا گیا ہے کہ " جس روز صور میں پھونک مار دی جائے گی تم فوج در فوج آ جاؤ گے " (آیت ۱۸) ۔

اُن کو اُن کے اعمال دکھائے جانے کے معنی یہ ہیں کہ ہر نیک و بد کو اس کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لے کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے ۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اِس کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ کافر و مومن، صالح و فاسق، تابعِ فرمان اور نافرمان، سب کو ان کے نامۂ اعمال دیے ضرور ضرور جائیں گے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الحاقّہ، آیات ۱۹، ۲۵، اور الانشقاق، آیات ۷، ۱۰) ۔ ظاہر ہے کہ کسی کو اُس کے اعمال دکھانے، اور اس کا نامۂ اعمال اُس کے حوالے کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ علاوہ بریں زمین جب اپنے اُوپر گذرے ہوئے حالات پیش کرے گی تو حق و باطل کی وہ کشمکش جو ابتدا سے برپا ہے اور قیامت تک برپا رہے گی، اُس کا پورا نقشہ بھی سب کے سامنے آ جائے گا، اور اس میں سب ہی دیکھ لیں گے کہ حق کے لیے کام کرنے والوں نے کیا کچھ کیا اور باطل کی حمایت کرنے والوں نے ان کے مقابلے میں کیا کیا حرکتیں کیں ۔ بعید نہیں کہ ہدایت کی طرف بلانے والوں اور ضلالت پھیلانے والوں کی ساری تقریریں اور گفتگوئیں لوگ اپنے کانوں سے سُن لیں ۔ دونوں طرف کی تحریروں اور لٹریچر کا پورا ریکارڈ جُوں کا تُوں سب کے سامنے لا کر رکھ دیا جائے ۔ حق پرستوں پر باطل پرستوں کے ظلم، اور دونوں گروہوں کے درمیان برپا ہونے والے معرکوں کے

سارے مناظر میدانِ حشر کے حاضرین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

پھر یہ ارشاد کہ جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا، اس کا ایک سیدھا سادھا مطلب تو یہ ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آدمی کی کوئی ذرّہ برابر نیکی یا بدی بھی ایسی نہیں ہوگی جو اس کے نامۂ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ اُسے وہ بہرحال دیکھ لے گا۔ لیکن اگر دیکھنے سے مُراد اُس کی جزا و سزا دیکھنا لیا جائے تو اس کا یہ مطلب لینا بالکل غلط ہے کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو الگ الگ دی جائے گی، اور کوئی شخص بھی وہاں اپنی کسی نیکی کی جزا اور کسی بدی کی سزا پانے سے نہ بچے گا۔ کیونکہ اول تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک ایک بُرے عمل کی سزا، اور ایک ایک اچھے عمل کی جزا الگ الگ دی جائے گی۔ دوسرے اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کوئی بُرے سے بڑا صالح مومن بھی اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچے گا اور کوئی بدترین کافر و ظالم اور بدکار انسان بھی اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہ رہے گا۔ یہ دونوں معنی قرآن اور حدیث کی تصریحات کے بھی خلاف ہیں، اور عقل بھی اسے نہیں مانتی کہ یہ تقاضائے انصاف ہے۔ عقل کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ بات آخر کیسے سمجھ میں آنے کے قابل ہے کہ آپ کا کوئی خادم نہایت وفادار اور خدمت گزار ہو، لیکن آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں، اور اس کی ایک ایک خدمت کا اجر و انعام دینے کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی اسے دے ڈالیں۔ اسی طرح یہ بھی عقلاً ناقابلِ فہم ہے کہ آپ کا پروردہ کوئی شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں، وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب ہمیشہ نمک حرامی ہی سے دیتا رہے، مگر آپ اس کے مجموعی رویّے کو نظر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی الگ سزا اور اس کی ایک ایک خدمت کی، خواہ وہ کسی وقت پانی لا کر دے دینے یا پنکھا جھل دینے ہی کی خدمت ہو، الگ جزا دیں۔ اب رہے قرآن و حدیث، تو وہ وضاحت کے ساتھ مومن، منافق، کافر، مومنِ صالح، مومنِ خطاکار، مومنِ ظالم و فاسق، محض کافر، اور کافرِ مفسد و ظالم وغیرہ مختلف قسم کے لوگوں کی جزا و سزا کا ایک مفصل قانون بیان کرتے ہیں اور یہ جزا و سزا دنیا سے آخرت تک انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید اصولی طور پر چند باتیں بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے:

اوّل یہ کہ کافر و مشرک اور منافق کے اعمال (یعنی وہ اعمال جن کو نیکی سمجھا جاتا ہے) ضائع کر دیے گئے،

آخرت میں وہ ان کا کوئی اجر نہیں پاسکیں گے۔ ان کا اگر کوئی اجر ہے بھی تو وہ دنیا ہی میں اُن کو مل جائے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الاعراف ۱۴۷، التوبہ ۱۷، ۶۷ تا ۶۹۔ ہود ۱۵-۱۶۔ ابراہیم ۱۸۔ الکہف ۱۰۴-۱۰۵۔ النور ۳۹۔ الفرقان ۲۳۔ الاحزاب ۱۹۔ الزُّمر ۶۵۔ الاحقاف ۲۰۔

دوم: یہ کہ بدی کی سزا اُتنی ہی دی جائے گی جتنی بدی کی گئی ہے، مگر نیکیوں کی جزا اصل فعل سے زیادہ دی جائے گی، بلکہ کہیں تصریح ہے کہ ہر نیکی کا اجر اس سے دس گنا ہے، اور کہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ جتنا چاہے نیکی کا اجر بڑھا کر دے۔ ملاحظہ ہو۔ البقرہ ۲۶۱۔ الانعام ۱۶۰۔ یونس ۲۶-۲۷۔ النور ۳۸۔ القصص ۸۴۔ سبا ۳۷۔ المومن ۴۰۔

سوم: یہ کہ مومن اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کریں گے تو اُن کے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ النساء ۳۱۔ الشوریٰ ۳۷۔ النجم ۳۲۔

چہارم: یہ کہ مومنِ صالح سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اس کی برائیوں سے درگذر کیا جائے گا، اور اس کے بہترین اعمال کے لحاظ سے اس کو اجر دیا جائے گا۔ العنکبوت ۷۔ الزمر ۳۵۔ الاحقاف ۱۶۔ الانشقاق ۸۔

احادیث بھی اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیتی ہیں۔ ہم سورۂ انشقاق کی تفسیر میں وہ احادیث نقل کر چکے ہیں جو قیامت کے روز ہلکے حساب اور سخت حساب فہمی کی تشریح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمائی ہیں (تفہیم القرآن جلد ششم، الانشقاق، حاشیہ ۶)۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اُس ذرہ برابر برائی کا نتیجہ دیکھوں گا جو مجھ سے سرزد ہوئی؟" حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ، دنیا میں جو معاملہ بھی تمہیں ایسا پیش آتا ہے جو تمہیں ناگوار ہو وہ اُن ذرہ برابر برائیوں کا بدلہ ہے جو تم سے صادر ہوں، اور جو ذرّہ برابر نیکیاں بھی تمہاری ہیں، انہیں اللہ آخرت میں تمہارے لیے محفوظ رکھ رہا ہے۔" (ابن جریر، ابن ابی حاتم، طَبَرانی فی الاوسط، بَیہقی فی الشُّعب، ابن المُنذِر، حاکم، ابن مَردُویہ، عَبد بن حُمَید)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو شخص نیکی کرے گا، اس کی جزا آخرت میں ہے، اور جو کسی قسم کی بدی کرے گا وہ اِسی دُنیا میں اُس کی سزا مصائب اور امراض کی شکل میں بھگت لے گا۔" (ابن مَردُویَہ)۔ قتادہؓ نے حضرت انسؓ کے

حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں اس کی نیکیوں کے بدلے وہ رزق دیتا ہے۔ اور آخرت میں اُن کی جزا دے گا۔ رہا کافر، تو دنیا میں اُس کی بھلائیوں کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے، پھر جب قیامت ہوگی، تو اس کے حساب میں کوئی نیکی نہ ہوگی"۔ (ابن جریر) مسروق حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "عبداللہ بن جُدعان جاہلیت کے زمانہ میں صلۂ رحمی کرتا تھا، مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، مہمان نواز تھا، اسیروں کو رہائی دلواتا تھا۔ کیا آخرت میں یہ اُس کے لیے نافع ہوگا؟" حضورؐ نے فرمایا "نہیں، اس نے مرتے دم تک کبھی یہ نہیں کہا کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ "میرے پروردگار، روزِ جزا میں میری خطا معاف کیجیو" (ابنِ جریر)۔ اسی طرح کے جوابات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اور لوگوں کے بارے میں بھی دیے ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں نیک کام کرتے تھے، مگر مرے کفر و شرک ہی کی حالت میں تھے۔ لیکن حضورؐ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی نیکی اُسے جہنم کے عذاب سے تو نہیں بچا سکتی، البتہ جہنم میں اُس کو وہ سخت سزا نہ دی جائے گی جو ظالم اور فاسق اور بدکار کافروں کو دی جائے گی۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ حاتم طائی کی سخاوت کی وجہ سے اُس کو ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ (رُوح المعانی)

تاہم یہ آیت انسان کو ایک بہت اہم حقیقت پر متنبہ کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اپنا ایک وزن اور اپنی ایک قدر رکھتی ہے، اور یہی حال بدی کا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی حساب میں آنے والی چیز ہے، یونہی نظر انداز کر دینے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کسی چھوٹی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر اُسے چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکر ایسی بہت سی نیکیاں مل کر اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک بہت بڑی نیکی قرار پا سکتی ہیں، اور کسی چھوٹی سے چھوٹی بدی کا ارتکاب بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح کے بہت سے چھوٹے گناہ مل کر گناہوں کا ایک انبار بن سکتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عدی بن حاتم سے یہ روایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "دوزخ کی آگ سے بچو خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا دینے یا ایک اچھی بات کہنے ہی کے ذریعہ سے ہو"۔ انہی حضرت عدی سے صحیح روایت میں حضورؐ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "کسی نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں ایک ڈول ڈال دینا ہو، یا یہی نیکی ہو کہ تم

اپنے کسی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔" بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا "اے مسلمان عورتو، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہاں کوئی چیز بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو۔" مسند احمد، نسائی، اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے "اے عائشہؓ، اُن گناہوں سے بچی رہنا جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں اُن کی پرسش بھی ہونی ہے۔" مسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "خبردار، چھوٹے گناہوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ وہ سب آدمی پر جمع ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیں گے۔"

(باقی)

# افغانستان کی اسلامی تحریک

## — شدید آزمائشوں کے نرغے میں —

ترجمہ، خلیل حامدی صاحب

(یہ مضمون عربی ماہنامہ الغربا کے شمارہ فروری ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا ہے، جو لندن سے مسلم سٹوڈنٹ سوسائٹی کے زیر اہتمام نکلتا ہے۔ مضمون نگار افغانستان کا ایک نوجوان ہے جس کا نام الغربا میں شائع نہیں کیا گیا تاکہ اُس کے ملک میں اُس کی شامت نہ آجائے۔ خ ح)

افغانستان میں اسلامی تحریک پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں منظم طور پر کھلم کھلا منظر عام پر آئی۔ اس نے کابل یونیورسٹی کو اپنی تگ و تاز کا بنیادی مرکز قرار دیا۔ "شب نامہ جہاد" کے عنوان سے اُس نے اپنا سب سے پہلا منشور جاری کیا۔ یہ منشور عوام الناس میں اور علی الخصوص یونیورسٹی کے نوجوان طلبا میں خفیہ طریقے سے تقسیم کیا گیا۔ اس میں تحریک کے اغراض و مقاصد اور اُسے قائم کرنے کے وجوہ اور دعوت کے اصول و اسالیب بیان کیے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب افغانستان بالعموم اور طلبہ کے حلقے بالخصوص بائیں بازو کی تحریکوں اور شورشوں سے لرز رہے تھے۔ ان تحریکوں نے صرف جامعۂ کابل ہی کو نہیں تمام تعلیمی اداروں کو اپنی تخریب کاریوں کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ اُن دنوں طلبا کی طرف سے جتنے مظاہرے کیے جا رہے تھے اور جو کچھ مہیں چلائی جا رہی تھیں ان کی قیادت انہی بائیں بازو کی تحریکوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور جامعۂ کابل اور افغانستان کے تمام مدارس میں ہر نوع کی سرگرمیوں پر ان کا مکمل قبضہ تھا۔ کوئی بھی گروہ یا ادارہ یہ ہمت نہ پا رہا تھا کہ اس سیلاب بلا کو روکے۔ جو کچھ وہ تحریکیں چاہتی تھیں بلا روک ٹوک اُسے نافذ کر دیتی تھیں۔ اُن کے پاس ماسکو سے، پیکنگ سے، مشرقی جرمنی سے اور دوسرے اشتراکی ممالک سے ڈھیروں لٹریچر پہنچ رہا تھا اور وہ اُسے وسیع پیمانے پر نوجوانوں کے اندر پھیلا رہی تھیں اور بھرپور طریقے سے نسلِ نو کے ذہن و فکر کو مسموم کر رہی تھیں۔ ان کے پاس جملہ مادی اور مالی وسائل بے پناہ حد تک موجود تھے۔ پروپگنڈے کے اثرات اور مال و زر کی چمک دمک سے کمزور ایمان اور ضعیف اخلاق

کے لوگ اور مال و جاہ کے بھوکے کثیر تعداد میں ان تحریکوں میں شامل ہوتے چلے گئے ۔ حالت یہ ہو گئی کہ کوئی بھی مخالف رجحان اُن کے سامنے دم نہ مار رہا تھا ۔ اور علی الخصوص طلباء کے حلقوں میں کوئی آواز اُن کے آگے نہ اُٹھ سکتی تھی ۔

ان حالات میں اسلامی تحریک کے نوجوان اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان میں اُتر آئے ۔ اُن کی زبان پر صرف ایک فقرہ تھا اور وہ یہ تھا: "حسبنا اللہ ونعم الوکیل"۔ تحریک کے ابتدائی ایام میں جن لوگوں نے اس میں کسی حیثیت سے حصہ لیا ان کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے متجاوز نہ تھی۔ ان دنوں بائیں بازو کی تحریکیں اپنی قوت کی بھرپور نمائش کر رہی تھیں اور موقع و بے موقع جلوس نکال رہی تھیں ۔ اسلامی تحریک نے بھی پہلی مرتبہ ۶ راگست ۱۹۶۸ء کو ایک جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا ۔ جلوس نکالنے والوں کی تعداد بہت کم تھی ۔ شرکائے جلوس نے جو بینر اُٹھا رکھا تھا وہ ایک سبز کپڑا تھا جس پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا ۔ یہ جلوس دوسرے جلوسوں اور جلسوں سے الگ ایک جگہ جا کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے جلوسوں کے لاؤڈ اسپیکروں کی گونج اور بائیں بازو کے لیڈروں کے حق میں نالیاں بجانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے شور و غل میں اسلامی تحریک کے مظاہرے کی یہ پہلی صدا نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہ تھی ۔ چنانچہ نوجوان اس ضعیف مظاہرے پر پھبتیاں اُڑاتے رہے اور طرح طرح کے آوازے کستے رہے ۔ لیکن تحریک اس طرح کی باتوں سے قطعاً متاثر نہ ہوئی اور اُس نے مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا ۔ جس روز بائیں بازو کے لوگ کوئی مظاہرہ کرتے اُسی روز اسلامی تحریک کی طرف سے بھی اسلامی جذبات کے اظہار کے لیے جلوس نکال دیا جاتا ۔ یوں یہ تحریک روز بروز طاقتور ہوتی گئی اور آخر وہ دن آ گیا جب یہ نہ صرف جامعہ کابل میں بلکہ جامعہ کے باہر بھی ایک بڑی طاقت بن گئی ۔ بائیں بازو کے لوگ اپنے تمام وسائل لے کر اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے ۔ مختلف حکومتیں ان کی پشت پناہی کر رہی تھیں لیکن ان کی تمام کاوشیں ناکام ہوتی رہیں ۔ اسلامی تحریک جامعہ کابل پر بھی چھا گئی ، دوسرے مدارس اور اداروں پر بھی اُس کو غلبہ حاصل ہو گیا ، اور اُس نے مختصر سے عرصہ میں عوام کے دلوں کے اندر بھی گھر کر لیا ۔ ۱۹۷۰ء میں جامعہ کابل کے اندر یونین کے جو انتخابات ہوئے ان میں اسلامی تحریک نے بڑے بڑے حریفوں کو چت کر دیا اور پچاس نشستوں میں سے چالیس نشستوں پر قبضہ کر لیا ۔ اسی سال کی بات ہے کہ افغانستان پولیس نے جامع پل خشتی کے علماء پر حملہ کیا ، انہیں جامع سے باہر نکال دیا اور جامع کو پولیس سنٹر میں تبدیل کر دیا ۔ افغانستان کی حکومت نے اس قضیے میں سخت تغافل برتا ۔ اسلامی تحریک کے نزدیک یہ ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا چنانچہ تحریک نے پولیس کی زیادتی اور حکومت کی سرد مہری

کے خلاف کابل میں ایک زبردست مظاہرہ کیا جس میں دس ہزار سے زائد نوجوان شریک ہوئے۔ اس مظاہرے نے حکمرانوں پر یہ ثابت کر دیا کہ افغانستان کے نوجوانوں کی اکثریت اسلام کی شیدائی ہے اور کمیونزم اور الحاد کے داعی محض بیرونی طاقتوں کی شہ پر افغانستان میں خلفشار برپا کر رہے ہیں۔

اسلامی تحریک اپنی دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ فکر و نظر کے لیے جن کتابوں سے زیادہ تر استفادہ کرتی رہی وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، استاذ شہید قطب اور محمد قطب اور بعض دیگر اسلامی رہنماؤں کی تصانیف ہیں۔ تحریک کے فعال ارکان کی تعداد اس وقت ایک ہزار سے زائد ہے۔ رہے حامی اور مددگار تو وہ بحمداللہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ تحریک کا رسمی نام حرکت نوجوانانِ اسلام ہے۔ البتہ بائیں بازو کے عناصر اور خود حکومت کے لوگ بھی اس تحریک کو "اخوان المسلمون" کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد تحریک کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈے کی ترویج ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تحریک ہمیشہ اخوان المسلمون اور دوسری اسلامی تحریکوں کی حمایت میں آواز اٹھاتی رہی ہے اور خاص طور پر اخوان المسلمون کے خلاف جو غلط پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے اس کی تردید کرتی رہی ہے۔

افغانستان کے حالیہ داؤدی انقلاب سے پہلے اسلامی تحریک کی تمام تر توجہ نوجوانوں کی اسلامی تربیت پر مرکوز تھی۔ چنانچہ تحریک کے زیرِ اہتمام مسجدوں میں اور دوسری مناسب جگہوں پر حلقہ ہائے درس قائم کیے جاتے تھے، ان میں قرآن و حدیث اور فقہ و سیرت پر مشتمل تقریریں اور وعظ کیے جاتے تھے۔ جمعہ کے روز مختلف مسجدوں میں تحریک اپنے مقررین بھیجتی تھی جو عوام الناس کے سامنے جذبہ انگیز تقریریں کرتے اور انہیں دین کی پابندی کی دعوت دیتے اور ملک کے اندر کمیونزم کے نفوذ کے خطرات سے انہیں آگاہ کرتے تھے۔ تحریک کی طرف سے جگہ جگہ دارالمطالعے بھی قائم کیے گئے اور پمفلٹ اور بیانات چھاپ کر بھی ملک کے گوشے گوشے میں تقسیم کیے جاتے رہے۔ افغانستان کے اندر علمائے دین ایک بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ عظیم طاقت جمود کی شکار تھی۔ تحریک نے علماء سے رابطہ قائم کیا اور انہیں متحرک کیا اور ان کی اس بے پناہ مگر خفیہ طاقت کو سرگرمِ عمل کیا۔ چنانچہ افغانستان کے جلیل القدر اور مشہور و معروف علماء کی اچھی خاصی تعداد تحریک میں شامل ہو گئی یا اس کی مؤید بن گئی۔

افغانستان کی اسلامی تحریک کا راستہ سنگین رکاوٹوں سے پٹا ہوا ہے۔ آغازِ کار سے لے کر آج تک اسے لامحدود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا مقابلہ ان تخریبی تحریکوں سے ہے جو ہر طرح کے وسائل و اسباب سے لیس ہیں۔ جبکہ اسلامی تحریک تہی دست ہے، اور اسبابِ ظاہر سے محروم ہے۔ البتہ اس کے پاس ٹھوس

اور متزلزل نہ ہونے والے ایمان باللہ کا سرمایہ ضرور موجود ہے۔ دوسری طرف کمیونزم کے محاذ کی حالت یہ ہے کہ کمیونسٹ حلقے اپنے کارکنوں اور ایجنٹوں کو ہر طرح مال وزر سے نوازتے رہتے ہیں۔ انہیں اسلحہ دیا جاتا ہے، گشتی شفاخانے انہیں مہیا کیے جاتے ہیں، لٹریچر کی بارش کی جاتی ہے اور بہت بڑی تعداد میں تعلیمی وظائف دیے جاتے ہیں۔ کمیونسٹ وزراء اور ذمہ دار حکام اکثر افغانستان آتے رہتے ہیں اور تعلیمی وظائف سے استفادہ کرنے والے نوجوانوں کو خود منتخب کرتے ہیں۔ ان نازک اور کٹھن حالات میں اسلامی تحریک کے کارکن انتہائی جذبۂ قربانی اور فداکاری کے ساتھ قافلۂ دعوت کو لیے بڑھ رہے ہیں۔ موجودہ انقلاب سے پہلے اسلامی تحریک بارہا آزمائشوں میں مبتلا ہوئی اور اللہ کی مدد و توفیق سے ہر بار کامیاب و کامران رہی۔

تحریک کے خلاف پے در پے سازشیں تیار کی گئیں، لیکن ناکام ہوتی رہیں۔ تحریک کے نوجوان متعدد مرتبہ جیلوں میں ڈالے گئے اور وہاں انہیں شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ برادر گل بدین اور سیف الدین کو قید کیا گیا۔ سید حبیب الرحمان اور مولوی حبیب الرحمان کو پابجولاں کیا گیا۔ محمد کاظم اور ڈاکٹر محمد عمر حوالۂ زنداں ہوئے۔ الغرض اور بھی بہت سے نیک اور راست باز نوجوان اور اہلِ علم موجودہ انقلاب سے پیشتر قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر اب بھی جیلوں میں ہیں اور ان کے ساتھ سینکڑوں ان کے حامی بھی دار و گیر کا نشانہ بن چکے ہیں۔ کچھ افراد ظلم و تشدد کا بے پناہ دور دورہ دیکھ کر ملک سے ہجرت کر گئے ہیں۔ مجملاً یہ کہ اسلامی تحریک ان دنوں جن مشکلات و مصائب کے نرغے میں ہے وہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ شدید اور سنگین ہیں۔ تحریک کے ارکان کا ملک کے گوشے گوشے میں تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تعلیم سے محروم کیے جا رہے ہیں۔ مدرسوں اور کالجوں سے ان کو نکالا جا رہا ہے۔ اور جو لوگ سرکاری ملازمتوں میں تھے انہیں چن چن کر وہاں سے نکالا جا رہا ہے۔ جیل اور تعذیب روزانہ کا وتیرہ بن چکا ہے۔ غلام ربانی صاحب جو ایک سکول میں استاد تھے انہیں اس بنا پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا کہ انہوں نے میلاد النبیؐ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت رفعت کے موضوع پر ایک تقریب میں تقریر کی تھی۔ ایک اور نوجوان گل محمد کو بھی اس لیے ملازمت سے چھٹی دے دی گئی کہ اس نے علی الاعلان کہا تھا کہ "اسلام مذہب بھی ہے اور ریاست بھی"۔ سید نور اللہ کو جو ایک سکول میں مدرس تھے اسکول سے نکال دیا گیا۔ اور اس کے بعد انہیں دو سال قید بامشقت کی سزا اس جرم میں دی گئی کہ انہوں نے رمضان المبارک میں ختم قرآن شریف کی رات کو مسجد میں تقریر کی تھی اور اس میں یہ کہا تھا کہ "مسلمان کا اخلاق یہ ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھتا"۔ ایسے نوجوانوں

کی ایک طویل فہرست ہے جو تعلیم گاہوں سے اس جرم کی پاداش میں خارج کر دیے گئے ہیں کہ ان کا اسلامی تحریک سے رشتہ تھا اور وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور سیّد قطب شہید کی کتابیں جمع کرتے اور پڑھتے تھے۔

موجودہ ظالمانہ حکومت نے ابتدائی اسکولوں کے ننھے طلبہ پر بھی رحم نہیں کیا۔ چنانچہ ضلع بل خمری سے ایسے بارہ طلبہ کو گرفتار کیا گیا اور انہیں سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا جہاں صرف ان قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جو جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور جنہیں دس سال سے زیادہ عرصہ کی سزا دی جاتی ہے۔ اسی طرح لغمان کے علاقے سے بھی ایک پرائمری اسکول کے بچے پکڑ لیے گئے اور سنٹرل جیل میں محبوس کر دیے گئے۔ ان بچوں کی عمریں دس اور گیارہ سال کے درمیان ہیں۔

تحریک کے نوجوانوں اور حامیوں کے ساتھ جیلوں میں انتہائی بدسلوکی اور تشدد و تعذیب کا رویہ برتا جا رہا ہے۔ انہیں جس طرح کا عذاب دیا جا رہا ہے اس کی ہلکی سے ہلکی مثال یہ ہے کہ مجبور نظر بندوں کے ناخنوں میں کیلیں چبھوئی جاتی ہیں، پیٹوں میں ہوا بھر دی جاتی ہے، بے عزتی کی جاتی ہے، جسم کے بعض اعضا کاٹ دیے جاتے ہیں، برقی رو کے ذریعے اذیت دی جاتی ہے، اور اس قصے کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ حکومت اسلامی تحریک کے لوگوں کے ساتھ ان جرائم کا ارتکاب کر رہی ہے اور پھر انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ایسی کوئی خبر بیرونی دنیا کو معلوم نہ ہو۔ افغان پولیس جب کسی نوجوان کو گرفتار کرنا چاہتی ہے تو دن کے وقت اسے گرفتار نہیں کرتی بلکہ عین نصف شب کو پولیس کے جلاد گھروں پر حملہ کرتے ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ اور پھر جسے چاہتے ہیں اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔

اسلامی تحریک نے یہ تمام صعوبتیں اور آزمائشیں بڑے صبر اور دل گردے کے ساتھ برداشت کی ہیں۔ اور انقلابی حکومت تحریک کو کچلنے اور نیست و نابود کرنے کے لیے جو مواقع تلاش کرتی رہی ہے تحریک نے اسے فراہم نہیں کیے۔ لیکن افغانستان کا صدر جب جون ۱۹۷۴ء میں روس کا دورہ کر کے واپس آیا تو اس نے آتے ہی اسلامی تحریک کا ناطقہ بند کرنا شروع کر دیا اور اسے کلیۃً کچل دینے کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ اسے دورۂ روس سے واپس آتے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ اس نے تحریک کے دو سو نمایاں اور فعال رہنماؤں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے۔ ان میں شریعت کالج کے سابق پرنسپل اور کالج کے شعبۂ حدیث کے موجودہ ڈین پروفیسر غلام محمد کے علاوہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور دینی مدارس کے معلّمین کی بہت بڑی تعداد شامل ہے۔ کابل یونیورسٹی اور کالجوں کے طلبہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں پکڑ لیے گئے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ صرف کابل

میں جو نمایاں اصحاب گرفتار کیے گئے ان کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ دوسرے صوبوں میں پکڑ دھکڑ کا جو خونیں ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اُس کی خبریں بہت کم مل رہی ہیں۔ صرف تحریک کے ارکان ہی نہیں پکڑے جا رہے ہیں بلکہ جو اُن سے ملاقات کرتا ہے اُسے بھی پکڑ لیا جاتا ہے۔ ایسے افراد بھی گرفتار کر لیے گئے جو تحریک کے گرفتار شدہ لوگوں کے گھروں کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھ لیے گئے۔

حکومت افغانستان کی ان ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے ملک اب ایک آتش فشاں کے دھانے پر پہنچ گیا ہے۔ عوام الناس کے اندر حکومت کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت نے اپنے آپ کو عوام کے انتقام سے بچانے کے لیے روسی ہوا بازوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ روسی ہوا باز ضرورت پیش آنے پر اس امر سے بھی باز نہیں آئیں گے کہ بے گناہ لوگوں کے گھروں اور بستیوں پر بھی بمباری کر دیں اور عورتوں، بوڑھوں اور بچوں تک کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ مقتدر گروہ کے پاس اب ٹینکوں، توپوں، ہوائی جہازوں اور روسی ماہرین کے سوا کوئی بھروسے کی بنیاد باقی نہیں رہی ہے۔ افغان فوج بھی حالات سے سخت کبیدہ ہے اور نجات پانے کے وقت کے انتظار میں ہے۔ لیکن روس کا نظام جاسوسی افغان فوج کی تمام حرکات و سکنات کی کڑی نگرانی کر رہا ہے۔ جب سے موجودہ گروہ فوجی انقلاب کے بل بوتے پر برسرِ اقتدار آیا ہے کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب فوج کے اچھے اچھے افسروں کی بھاری بھر کم تعداد کو گرفتار نہ کیا جاتا ہو۔ دو مرتبہ ایسا بھی ہو چکا ہے کہ فوج کے متعدد افسران کو اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ سردار داؤد خاں نے دورۂ ماسکو کے بعد فوج کی تطہیر کی جو تحریک چلائی ہے اُس میں آج تک سینکڑوں فوجیوں کو اسلامی تحریک سے محبت یا محض اسلام سے لگن کی پاداش میں نظر بند کیا جا چکا ہے۔

یہ مظالم رازداری کے کثیف پردے کے نیچے سرانجام دیے جا رہے ہیں۔ افغانستان کے اندر اور افغانستان کے باہر اصل حقائق کو چھپایا جا رہا ہے۔ حکومت کے پروپیگنڈے کے ناقوس ان واقعات کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے، گویا کہ کچھ ہوا تک نہیں ہے۔ افغان عوام موجودہ فاسد اور مخرب نظام کے خلاف غصے کی آگ میں جل رہے ہیں، لیکن بے بس ہیں اور مسلح تشدد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حکومت کی پوری مشینری جاسوسی کے نظام میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بلکہ مرکزی ادارۂ جاسوسی کا نفوذ اور تسلط اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ملک کا پورا بجٹ ہی ہضم کیے جا رہا ہے۔ وزارت داخلہ کے تحت بھی جاسوسی کا بھاری بھر کم نظام موجود ہے اور اس کے ساتھ وزارت مواصلات نے الگ جاسوسی کا نظام جاری کر رکھا ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کی تمام کار روسی ماہرین کے

ہاتھ میں ہے اور وہ الگ مستقل ریاست کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہاں تک کہ ہر کمیونسٹ وزیر نے اپنا جداگانہ جاسوسی نظام قائم کر رکھا ہے۔ ان تمام اداروں پر ایک غریب اور مسکین قوم کے خزانے سے بڑی فراخدلی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف تمام وزارتیں استحصال اور فساد کے گڑھ بن چکی ہیں۔ علی الخصوص وزارتِ داخلہ، وزارتِ تعلیم، وزارتِ زراعت اور وزارتِ مالیات اس میں پیش پیش ہیں۔ نظم ونسق کی حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے اور حکومت کا کوئی ادارہ بھی اب کارآمد نہیں رہا ہے۔ تمام سرکاری دفاتر میں رشوت وبائے عام کی طرح پھیل چکی ہے۔ اگر کوئی شہری کسی سرکاری ملازم کی چیرہ دستی پر اعتراض کرتا ہے تو اُسے بلا تاخیر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور اُس مسکین کے رشتہ دار یہ تک نہیں پوچھ سکتے کہ وہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔

افغانستان کا صدر یہ یقین رکھتا ہے کہ لوگ اُسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اسے خوب معلوم ہے کہ لوگ اسے کمیونسٹ سمجھتے ہیں، لیکن وہ بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار اعلان کرتا رہتا ہے کہ وہ پکا مسلمان ہے گویا وہ اللہ اور اہل ایمان کو فریب دینا چاہتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ اپنے آپ کو خود دجل وفریب کا شکار کر رہا ہے۔ کئی مرتبہ وہ آپ ہی اپنی تکذیب کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ اسے پولی ٹکنیک کالج سے فارغ ہونے والوں کا ایک گروہ ملا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی تحریک سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان بھی ہیں تو ان سے کہنے لگا کہ اس کا کسی تحریک سے (اشارہ کمیونسٹ تحریک کی جانب تھا) کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُس کا عقیدہ اور نظریہ وہی ہے جو افغان عوام کی اکثریت کا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اس ملاقات کے چند روز بعد اُسے اسکاؤٹس کا ایک گروپ ملا۔ ان میں کمیونسٹ بھی تھے اس لیے اُن لوگوں سے کہنے لگا کہ اسلامی نظریات پر ایمان لانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ البتہ اس ملک کے لوگوں کو بیوقوف بنانا نہایت ضروری ہے۔ صدر افغانستان جب عوامی دباؤ کی شدّت محسوس کرتا ہے تو [illegible] مسلمان ہونے کے دعوے کرنے لگتا ہے اور جب حالات میں کچھ سکون پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اپنی گمراہی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس شخص کا رویہ بہت حد تک ابتدائی دورِ اسلام کے منافقین کی روش سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر شائد قبائلی سرداروں سے ملے گا تو ایمان اور اسلام کی راگنی الاپنے لگے گا، اور جب خلوت میں اپنے ہم نوالہ وہم پیالہ کمیونسٹوں سے ملے گا تو اسلام کے خاتمے کی اسکیمیں بنائے گا۔

سردار داؤد خان اور اس کے کمیونسٹ رفقا اپنے راستے کا واحد روڑا اسلامی تحریک کو سمجھتے ہیں

جو افغانستان میں اشتراکی نظریات کو نافذ کرنے کی راہ میں حائل ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماسکو سے آتے ہی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اسلامی تحریک کو کچلنے کا پروگرام شروع کر دیا۔ اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ افغانستان کی اسلامی تحریک اس وقت موت و زیست کی جنگ لڑ رہی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ افغانستان مشرق کے اسلامی ممالک کے لیے سُرخ خطرے کے مقابلے میں پہلی دفاعی لائن ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس اسلامی ملک کی اہمیت و نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں، اور نیز وہ تمام حضرات جن کو اس بات کی فکر ہے کہ اشتراکی نفوذ اور روسی استعمار افغان قوم کے اسلامی وجود کے لیے شدید خطرہ بن چکے ہیں اور جو یہ احساس رکھتے ہیں کہ افغانستان کے اندر اشتراکیت کا غلبہ و تسلط ہمسایہ ممالک کے لیے کیا کیا خطرات پیدا کر سکتا ہے ـــــ اُن سب حضرات سے افغانستان کی اسلامی تحریک یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ اس ملک کے مسئلے سے دلچسپی لیں اور افغانستان کے نہتے مسلمانوں کو حالات کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیں۔

---

(بقیہ فیصل)

غیر معمولی محبت ہے۔ اور ان کے دل میں اسے ہر لحاظ سے مضبوط کرنے کی بڑی خواہش ہے۔ اگر پاکستان کے ذمہ دار حکام آکر فیصل کو یہ کہیں کہ سلطنتِ خداداد پاکستان دشمنوں کے نرغے میں ہے اور آپ اسے بچائیں تو یقیناً فیصل پاکستان کو سعودی عرب کا ایک حصّہ سمجھ کر ہر تدبیر سے بچانے کی کوشش کریں گے"۔ حقیقت یہ ہے کہ فیصل کے آخری ایام اس طرح گذرے ہیں کہ گویا دنیا بھر کے مسلمانوں کا درد اُن کے دل میں تھا۔ اور جہاں کہیں کوئی مسلمان مبتلائے آلام ہوتا ان کی رُوح بھی بے چین و مضطرب ہو جاتی۔ ایسے شخص کا دنیا سے اُٹھ جانا فرد کی نہیں ملت کی موت ہے۔

ما کان قیس هلکه هلك واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما

(قیس کی موت ایک فرد کی موت نہیں ہے۔ وہ قوم کی دیوار تھا جو گر گئی)

---

# فیصل

## فقید الاسلام والمسلمین

خلیل حامدی صاحب

شاہ فیصل کی شہادت ملّتِ اسلامی کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس سانحہ کی شدّت و سنگینی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ حالات نہ سمجھ لیے جائیں جن میں شاہ فیصل نے مسلمانوں کے ایک رہنما کی حیثیت سے زمام کار ہاتھ میں لی اور پھر ان خدمات پر بھی نظر نہ ڈال لی جائے جو انہوں نے سعودی عرب کے اندر اور سعودی عرب کے باہر انجام دیں۔ ذیل کا مضمون انہی دونوں پہلوؤں کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

فیصل ایک ایسی سرزمین کا حکمران تھا جس کے ساتھ دنیا کے ۸۰ کروڑ مسلمانوں کی عقیدت و محبت کے گہرے رشتے استوار ہیں۔ اور جہاں کی ہر بات دنیا بھر کے مسلمانوں پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے فیصل کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ ایک عام مسلمان حکمران کی شخصیت اور خدمات کے جائزے سے مختلف ہو جاتا ہے فیصل فرمانروائی کی مسند پر متمکن ہونے سے پہلے جو کچھ بھی تھے اُس سے ہم تعرض کرنے کے بجائے اُن کے اُس دور پر گفتگو محدود رکھیں گے جب وہ مکمل اختیارات کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن کی شخصیت کو مسلمانوں کے لیے وجہِ کشش بنانے کا وہی دور ہے جب وہ ولی عہد کی بجائے بادشاہ تھے۔

موجودہ تہذیبی نظریات انسان کی شخصی زندگی اور اجتماعی زندگی میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ مگر یہ تفریق اس لحاظ سے غیر فطری اور غیر معقول ہے کہ ایک انسان جس سیرت و کردار اور فکر و نگاہ کا مالک ہوگا وہ اس کی زندگی کے دونوں حصوں پر چھاپ لگائے گی۔ لہٰذا اگر ہم فیصل کی اجتماعی زندگی سے پیشتر ان کی انفرادی زندگی کا بھی مطالعہ کرلیں تو اُن کی تصویر مکمل سامنے آجائے گی۔

**ذاتی حالات** مرحوم کی ذاتی تربیت و تعلیم میں ان کے والد سلطان عبدالعزیز کا بڑا ہاتھ ہے۔ فکر و عقیدے کے

لحاظ سے وہ اسلام کو اُسی طرح ایک مکمل اور ہمہ گیر دین سمجھتے تھے جس طرح اُن کے بزرگ رہنماؤں نے جزیرۃ العرب میں اسلام کو زندہ اور برپا کیا تھا۔ اپنے خاندان کی عظمت وشوکت کا راز بھی اسلام ہی کو قرار دیتے تھے۔ ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ رابطۂ عالمِ اسلامی کا ایک منتخب وفد جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، الحاج محمد امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین مرحوم اور شیخ عبداللہ قلقیلی مرحوم مفتی اردن پر مشتمل تھا شاہ نے ملاقات کے لیے طلب کیا۔ اس ملاقات میں انہوں نے بار بار اس امر کا اعادہ کیا کہ آلِ سعود کو آج جو کچھ حیثیت حاصل ہے وہ ان خدمات کی بنا پر ہے جو اس خاندان نے اسلام کی سربلندی کی خاطر انجام دی ہیں۔ اگر یہ خاندان اسلام سے اپنا رشتہ کمزور کرے گا تو اس کا تمام وقار خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات وہ اپنی نجی محفلوں اور خاندانی اجتماعات میں بکثرت کہتے رہتے تھے۔ چند ماہ بیشتر جب اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے تمام ذمہ دار شہزادوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ ہمارے اقتدار کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک اسلام اور دوسرے باہمی اتحاد۔ ان دونوں کو نظر انداز کرنے کے بعد سعودی خاندان زوال سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔

پچھلے سال سے یورپ کے قانون دانوں اور سعودی علما اور قاضیوں کے درمیان اسلام کے مختلف موضوعات پر مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اب تک پانچ ایسی محفلیں ریاض اور یورپ کے مختلف شہروں میں منعقد ہو چکی ہیں۔ سعودی وفد کے سربراہ وہاں کے وزیرِ عدل ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شاہ نے تاکید کر رکھی ہے کہ ہم حکمت اور موعظت حسنہ کے اصول کے تحت یورپ پر اسلامی شریعت کی برتری ثابت کریں اور بتائیں کہ اسلامی قانون کی حقانیت اور برتری کی دلیل یہ ہے کہ یہ منزّل من اللہ ہے۔ اسلام سے یہ گہری محبت موصوف کی زندگی میں صاف جھلکتی نظر آتی تھی۔ شب خیزی، تہجد گزاری اور سجدوں کے اندر طویل لمحات تک بدیدۂ اشکبار خدا کے حضور گڑگڑانا ان کا معمول تھا۔ راقم نے انہیں ایک مرتبہ بڑا طویل سجدہ کرتے دیکھا تو اُن کے ایک ہمہ وقتی رفیق کے سامنے اس بات کی تحسین کی۔ وہ کہنے لگا سلطان عبدالعزیز مرحوم نے دعاؤں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا فیصل یہ تمام دعائیں ایک لمبے سجدے میں روزانہ دہراتے ہیں۔ "ان شاء اللہ" ان کا تکیۂ کلام تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اُن کی ایک مطبوعہ تقریر میں ایک سطر کے اندر گن کر دیکھا تو پانچ مرتبہ یہ کلمہ دہرایا ہوا پایا۔ خوشامد سے وہ بہت ناخوش ہوتے تھے۔ بادشاہی نظام ہو یا جمہوری نظام خوشامد اور نفاق کے جال سے اہل اقتدار کا بچ نکلنا قریب قریب محال ہوتا ہے۔ ۱۹۶۲ء کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کے موقع پر شاہ فیصل کی بھری مجلس میں ایک صاحب نے باواز بلند کہا کہ "اے اللہ! اسلام کو فیصل کے ذریعے عزت بخش۔" مرحوم اس فقرے پر بہت چیں بجبیں ہوئے اور فوراً ٹوکتے ہوئے کہا "فیصل اسلام کا

محتاج ہے۔ اسلام فیصل کا محتاج نہیں ہے۔" وہ صاحب بہت کھسیانے ہوئے۔ سعودی عرب کے اندر مختلف تعمیراتی منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچتے رہتے تھے۔ اہل خوشامد کوشش کرتے رہتے تھے کہ ان منصوبوں کو شاہ فیصل کے نام سے موسوم کریں۔ مگر شاہ ہمیشہ طرح دے جاتے اور ایسے لوگوں کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کرتے۔ جدہ کی بحری بندرگاہ مکمل ہوئی۔ تو اس کا افتتاح شاہ مرحوم سے کروایا گیا۔ اس تقریب میں راقم اور چوہدری رحمت الٰہی صاحب بھی موجود تھے۔ سپاس نامہ پیش کرنے والے نے تجویز کیا کہ اس بندرگاہ کا نام میناء الملک فیصل (بندرگاہ شاہ فیصل) ہوگا۔ شاہ نے جب سپاس نامے کا جواب دیا تو کہا: اگر بندرگاہ کسی شخص کے نام سے منسوب ہونا ضروری ہے تو وہ شخص فیصل کے بجائے سلطان عبدالعزیز مرحوم ہونے چاہئیں۔ لیکن مجھے شخصیت پرستی پسند نہیں ہے ــــ یہ بندرگاہ حاجیوں کے لیے بنائی گئی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں آکر اترتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کا نام "اسلامی بندرگاہ" ہو۔ چنانچہ اس کے بعد بندرگاہ جدّہ کا سرکاری نام اسلامی بندرگاہ رکھا گیا۔

شاہ مرحوم کی زندگی منکرات سے پاک تھی۔ غرور و تکبر سے محفوظ تھے۔ خاندانی روایات اور اسلامی آداب کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہمارے دیرینہ دوست ہیں اور مولانا مودودی مدظلہ العالی کے بڑے مدّاح ہیں۔ فیصل ایک مرتبہ راقم کی موجودگی میں وہاں آئے۔ اور آتے ہی اپنے چچا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پھر اس قدر تواضع، انکساری، احترام و تکریم کے ساتھ اُن کے پاس بیٹھ گئے گویا اُستاد و شاگرد کے سامنے دوزانو بیٹھا ہے۔ بلکہ صحیح الفاظ میں لائق بیٹا اپنے محترم باپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اپنی معمّر پھوپھی کے ہاں وہ ہمیشہ عیدین کے موقع پر مبارکبادی کے لیے جاتے اور احتراماً پیدل جاتے۔ اپریل ۱۹۶۷ء میں مجھے اور محترم میاں طفیل محمد صاحب کو ان کے ساتھ مل کر کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ راقم نے ان کے کھانے کا جو انداز دیکھا ہے وہ ایسا اثر انگیز تھا کہ جب بھی راقم کھانا کھاتا ہے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ انہوں نے نہایت وقار اور متانت سے کھانا کھایا۔ ان کا چہرہ اور ہاتھوں کی حرکت بتا رہی تھی کہ وہ کھانے کو فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر بڑے شکر و امتنان کی کیفیت کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کھانے کے ایک ایک ذرے کا انہوں نے احترام کیا۔ رکابی کو اس طرح صاف کیا کہ ایک ذرّہ بھی اُس میں باقی نہ رہنے دیا۔ سیب کھانے کے لیے اُسے خود ہی چھری سے چھیلنے لگے۔ اور اُس کا اس قدر باریک چھلکا اُتارا کہ گودے کا ایک معمولی جز بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ کاٹتے وقت ایک قاش نیچے گر گئی۔ اُسے جھک کر اُٹھانے لگے تو خادم نے فوراً لپک کر انہیں تھما دی۔ اور اسے بسم اللہ کر کے

کھا لیا۔ کھانے کے برتن، فرنیچر اور کمرے کی سادگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جس کمرے میں وہ مجلس لگاتے ہیں وہاں اُن کی نشست کی سامنے والی دیوار پر یہ عبارت تحریر ہے کہ "لو دامت لغیرك لما اتصلت الیك" (اگر حکومت تیرے پیشرو کے پاس ہمیشہ رہتی تو تجھ تک نہ پہنچتی) دوسرے لفظوں میں یہ حکومت تیرے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ شاہ کے چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمان جو ایک معمر بزرگ ہیں وہ ہمیشہ فیصل کو "الملک المومن" (مومن بادشاہ) کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بتاتے کہ شاہ ان دنوں مولانا مودودی کا ذکر اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں موجودہ مسلمان نسل کے لیے بڑا مفید سمجھتے ہیں۔ شاہ شہید کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ نصیحت کو سنتے تھے اور مخلص ناصحین کی قدر کرتے تھے۔ تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ مولانا مودودی مدظلہ العالی کو معلوم ہوا کہ تبت کے مسلم مہاجرین کے دس خاندان عرب ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور انہیں کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے مولانا محترم نے فوراً شاہ فیصل کو ایک خط لکھا جس میں شاہ کو قدرے سخت لہجے میں متنبہ کیا اور کہا کہ حجاز دنیا بھر کے مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے۔ اس لیے تبت کے مسلمانوں کو بھی حجاز میں اُن شرائط کے تحت آباد کیا جائے جن کے تحت بخارا اور سمرقند کے مہاجرین وہاں رہ رہے ہیں۔ چنانچہ شاہ نے اس خط پر فوراً عملدرآمد کیا اور تبتی خاندانوں کو جو اُس وقت اُردن میں لاوارث پڑے تھے سعودی عرب بلوایا اور طائف میں آباد کیا۔ اور مولانا محترم کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ایک فرض کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہ ایک مثال میں نے بطور نمونہ درج کر دی ہے۔ ورنہ ایسی بہت سی مثالیں راقم کے ذاتی علم میں ہیں۔

**خدمتِ ملک و قوم** | شاہ فیصل کی حکمرانی کا پہلو دنیا کے مُدبّرین سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اپنے ملک کے اندر انہوں نے بڑے بڑے عظیم کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ دولت کی فراوانی ان کے لیے ایک مسئلہ تھی۔ مگر انہوں نے اپنے ملک اور عوام کی بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت کو صرف کیا۔ تعلیم، علاج اور مواصلات ان کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے۔ سعودی عرب کی آبادی ۷۰ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر سعودی عرب کے اندر اس وقت پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، دوسری امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض، تیسری کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، چوتھی ریاض یونیورسٹی اور پانچویں پٹرولیم یونیورسٹی (پٹرولیم کالج کو ۱۹۷۵ء میں یونیورسٹی کی حیثیت دے دی گئی ہے) اور اب ایک چھٹی یونیورسٹی کے قیام کی تیاریاں ہو رہی ہیں یعنی خواتین کی یونیورسٹی۔ سڑکوں کا جو جال انہوں نے بچھا دیا ہے وہ نہایت حیرت انگیز چیز ہے۔ طویل و عریض صحراؤں کو چیر کر مشرق کو مغرب سے اور شمال کو جنوب سے مِلا دیا ہے۔ اسپتالوں کی تعداد بھی بہت زیادہ

ہے۔ کوئی ایسا قریہ نہ ہوگا جسے طبی امداد فراہم نہ کی جاتی ہو۔ یہی حال اسکولوں کے قیام کا ہے۔ اب وہ زراعت پر بھی خصوصی توجہ دے رہے تھے اور کاشتکاروں کی ہر گونہ حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

اسلامی میدان میں شاہ فیصل کے والد عبدالعزیز ابن سعود کی جانفشانیوں سے دنیا واقف ہے۔ شاہ فیصل نے بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی غیر معمولی کوشش کی ہے۔ شاہ فیصل کے سامنے مشکلات بے حد تھیں۔ پٹرول کے بعد دولت و ثروت کی بارش ہونے لگی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی عروج پر پہنچ گئی اور دولت مند ملک اُس سے زیادہ متاثر ہونے لگے۔ مواصلات کی سہولتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ دنیا کے کسی حصّہ سے رابطہ رکھنا دشوار نہ رہا۔ بلکہ مواصلات نے دنیا کو ایک ایسا مربوط سمندر بنا کر رکھ دیا کہ ایک طرف اگر کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے تو فوراً دوسری طرف اُس کی لہریں پہنچ جاتی ہیں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے سعودی عرب اپنی مالی خوشحالی کی بدولت جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اختراعات سے مستفید ہو رہا تھا وہاں موجودہ تہذیبی و تمدّنی مفاسد اور تخریبی نظریات کی یلغار کا بھی وہ نشانہ بن چکا تھا۔ ایسے زبردست چیلنج کے سامنے سعودی عرب کے اندر اسلامی طرزِ حیات کو باقی رکھنا آسان نہیں تھا۔ فیصل کا پورا دورِ بادشاہت (نومبر ۱۹۶۴ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء) اسی کشمکش اور مجاہدے میں گزرا ہے۔ ایک طرف بگاڑ کی قوتیں ملک و معاشرے کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتی تھیں اور دوسری طرف فیصل اپنے عقیدہ و ضمیر اور آبائی مسلک کی رُو سے ان قوتوں کے سامنے ایک چٹان بنا ہوا تھا۔ اور افسوس یہ ہے کہ اس چٹان کو اب پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ فیصل نے سعودی معاشرے کی اسلامی حیثیت کی بقا کی جدوجہد کی۔ امن و امان کی سابقہ روایات جو مرحوم ابن سعود کے عہد سے چلی آرہی تھیں برقرار رکھا۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اچھے سے اچھا انتظام کیا۔ عریانی اور بے پردگی کو روکا۔ اسلامی قوانین کے اجراء میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور اب فیصل نے ریاض میں اسلامی قانون کی اعلیٰ تعلیم کا ادارہ بھی قائم کر دیا تھا۔ جس کا نام ہے (معہد القضا العالی) اس کا سربراہ ایک ایسے شخص کو بنایا جو نہ صرف قانون و قضا کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ وہ اسلام کا وہ انقلابی تصوّر رکھتا ہے جو عہدِ حاضر کی اسلامی تحریک کا پیش کردہ ہے۔ ان کا نام شیخ مناع القطّان ہے جو مصر میں حسن البنّا کے سکرٹری تھے۔ شیخ مناع نے راقم کو بتایا کہ مخالف عناصر نے فیصل کے پاس جا کر میرے بارے میں طرح طرح کی شکایات کیں۔ اور یہ کوشش کی کہ اس ادارے سے مجھے نکلوا دیا جائے۔ مگر فیصل سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے اُن کے علم و اخلاص اور فہم و بصیرت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ نظامِ قضا میں بھی تبدیلی کی جائے۔ حرمین شریفین کی توسیع و تعمیر کے

بارے میں سعودی حکومت نے جس فراخدلی اور اسلام سے محبت ووابستگی کا جو ثبوت دیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں نہیں ہے۔

شاہ فیصل آج سے ۱۱ سال پیشتر جب برسرِاقتدار آئے تھے توحجاج کی تعداد ۸ لاکھ کے لگ بھگ تھی اور اب یہ تعداد ۱۵ اور ۱۶ لاکھ تک تجاوز کرچکی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حرمین کی توسیع وتعمیر کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اور اربوں ریال صرف کیے جارہے ہیں۔ شاہ فیصل نے شہادت سے صرف دو روز قبل حج کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے پچاس کروڑ ریال کی منظوری دی تھی۔

**تحریکِ اتحادِ اسلامی** ملّتِ اسلامی کے حق میں فیصل کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ملّی اتحاد مسلمانوں کا پرانا خواب ہے۔ عثمانیوں کے زوال کے بعد ملّتِ اسلامی یک بیک تتر بتر ہوگئی۔ جمال الدین افغانی مرحوم اتحادِ ملّت کی دعوت لے کر اُٹھے۔ لیکن تھک ہار کر رہ گئے۔ علّامہ اقبال مرحوم بھی اس آرزو کو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر قومیتوں نے سر اُٹھایا۔ اور ایک عرصۂ دراز تک عرب اور غیر عرب قومیں استعماری سازش کے تحت قوم پرستی کی راہ پر گامزن رہیں۔ اور آخر کار فیصل ۱۹۶۴ء میں بادشاہت کی مسند پر متمکن ہوئے اور چند ماہ بعد ۱۹۶۵ء میں مکہ معظمہ میں ایک کانفرنس رابطۂ عالمِ اسلامی کی وساطت سے بلائی اور اُس میں فیصل نے پہلی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ وہ دنیائے اسلام کو متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد انہوں نے سرکاری سطح پر بھی اور عوامی پیمانے پر بھی "تضامنِ اسلامی" کے عنوان سے اتحادِ اسلامی کی تحریک کو نہایت ہمت وعزم اور حکمت وتدبر کے ساتھ چلایا۔ یہ وہ دَور تھا جب ایک طرح جمال عبدالناصر نے عرب قومیت اور اشتراکیت دونوں کا علم بلند کر رکھا تھا اور پروپیگنڈے کی مشینری کے ذریعہ ان دونوں اُمور پر عرب ممالک میں طوفان رستاخیز برپا کر رکھا تھا۔ اور دوسری جانب شام کی بعث پارٹی نے اسی سے ملتی جلتی ایک تحریک بعث ازم کے نام سے شام اور عراق میں چلا رکھی تھی مصر کی مجبور وپابند صحافت اور بیروت کی تاجرانہ صحافت اور عرب ممالک کے اشتراکی اور ملحد اخبارات رسائل اور پیشہ ور اہلِ قلم دونوں محاذوں کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق کمک بہم پہنچا رہے تھے۔ یہ تاریک وحوصلہ شکن حالات اسلام کے نام پر کسی تحریک کا کیسے خیر مقدم کرسکتے تھے۔ مگر یہ فیصل کی جرأت رندانہ تھی کہ اُس نے مخالف تحریکوں کے مقابلے میں اتحادِ اسلامی کی تحریک برپا کردی۔ راقم کو یاد ہے کہ اُس زمانے میں عرب پریس اور بالخصوص اشتراکی پریس نے فیصل پر بڑی پھبتیاں کسیں۔ اور سب وشتم سے بھرپور لٹریچر اُن کے خلاف تیار کر ڈالا گیا۔ اور اتحادِ اسلامی کی تحریک کو کبھی "یہودیوں کی تحریک" اور "سامراجی سازش" اور کبھی "باسی کڑھی کا اُبال" کی

اُ؛ ط ۱۱حوں سے یاد کیا گیا۔ اور فیصل کے اعصاب کو مضمحل کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر فیصل لوہے کا چنا ثابت ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں حج کے موقع پر شاہ نے ممتاز حجاج اور حج کے سرکاری وفود کے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے ان مخالفانہ کوششوں کی طرف اشارہ کیا اور پھر حلم و سنجیدگی سے بھرے ہوئے لہجہ میں تمام مخالفین کو وا شگاف الفاظ میں کہا: "ان نتخاذل عن مسیرتنا دونہ خرط القتاد" (ہم اپنی تحریک سے باز آجائیں۔ ایں خیال است و محال است و جنوں)۔ شاہ کے یہ الفاظ ایمان و عزم کا ایک نعرہ مستانہ تھے۔ ادبی لحاظ سے بھی ان الفاظ کی رفعت و ساخت شاہ کے ذوق بلند کی غمازی کر رہی تھی۔ مخالفین کو اندازہ ہو گیا کہ ان کا پالا کسی روایاتی بادشاہ سے نہیں بلکہ مردِ آہن سے ہے۔ الغرض شاہ فیصل شدید کشاکش اور تند و تیز موجوں کے اندر اتحادِ اسلامی کی کشتی کھیتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں رباط میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی۔ ۱۹۷۴ء میں لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ایک اسلامی سکرٹریٹ جدہ میں قائم کر دیا گیا اور اقتصادی، ثقافتی اور نشریاتی شعبوں کے اندر عالم اسلام کو متحد کرنے کا آغاز کر دیا۔

**ہمہ گیر اتحاد** فیصل شہید نے حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی کوششوں کے دوش بدوش ملی اور عوامی سطح پر بھی ایسے منصوبے شروع کر دیے جن کے ذریعے ملتِ اسلامی کے مختلف طبقات کے اندر ہم آہنگی پیدا کی۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق شاہ فیصل حکومتوں کی سطح پر اتحاد کی تحریک کے دوران اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کی حکومتیں اُس وقت تک تعاون و یک رنگی قبول نہیں کریں گی جب تک مسلمان قوموں کے ذریعے ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے آخری ایام میں وہ بار بار تضامن حکومات (حکومتوں کے اتحاد) کے ساتھ ساتھ تضامن طبقات مختلف گروہوں کے اتحاد) کا پرچار کرتے رہے۔ اور لاہور کی سربراہی کانفرنس کے بعد انہوں نے اپنی سرگرمیوں میں ایک نئی اور اثر انگیز تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ لاہور کی سربراہی کانفرنس سے جب وہ واپس گئے تھے تو بڑے دل برداشتہ تھے۔ اگر کوئی جذباتی انسان ہوتا تو دا؛ نے مشن پر فاتحہ پڑھ کر بیٹھ جاتا مگر فیصل اعصاب کے مضبوط، عزم کے دھنی اور ایمان کے کوہ گراں تھے۔ انہوں نے فوراً اپنے کام کا ایک نیا انداز، کامیاب و عمیق الاثر انداز اختیار کر لیا جو ان کے تدبر، دل بصیرت اور ایمان و اخلاص اور ملی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

**اسلامی دعوت کی تنظیم** لاہور کی سربراہی کانفرنس سے واپس لوٹتے ہی انہوں نے رابطۂ عالم اسلامی مکہ کے زیر انتظام ۶ تا ۱۰۔ اپریل ۱۹۷۴ء دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں اور مذہبی رہنماؤں کی کانفرنس طلب کر لی۔ عہد حاضر کی اسلامی تاریخ میں یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی منفرد تھی۔ اس میں عالم اسلام اور افریقہ اور یورپ اور امریکہ کے

ہر جہاں کہیں اسلامی تحریکیں پائی جاتی ہیں ان کے نمائندوں کو جمع کر دیا گیا۔ اور ان کے سامنے یہ سوال رکھ دیا گیا کہ وہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ، غیر اسلامی نظریات وتحریکات کے مقابلہ اور مسلمانوں کے سیاسی اور قومی مسائل کے حل کے لیے کس قدر متحدہ طور پر کوششیں سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہی وہ کانفرنس ہے جس نے پہلی مرتبہ عالمی پیمانہ پر فتنۂ قادیانیت کا جائزہ لیا اور وہ تاریخی فیصلہ صادر کیا جس کی رُو سے قادیانیوں کو ملتِ اسلامیہ سے خارج اور مرتد گروہ قرار دے دیا گیا۔ راقم کا احساس یہ ہے کہ شاہ فیصل کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بھارتی جارحیت کو کامیاب بنانے میں قادیانیوں کو گہرا دخل ہے۔ وہ ۵-۶ سال سے قادیانیت کے خلاف آواز بلند کیے ہوئے تھے۔ سعودی مملکت میں ان کا داخلہ بند کر چکے تھے۔ مگر مشرقی پاکستان کے حادثہ کے بعد انہوں نے اسی قوت واہمیت کے ساتھ اس مسئلہ کو لیا جس قوت واہمیت کے ساتھ وہ صیہونیت کے خلاف صف آرا تھے۔ مذکورہ کانفرنس کے بعد سرکاری سطح پر انہوں نے اُن تمام ممالک کو فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جہاں قادیانیوں کے مراکز تھے۔ مثلاً نائیجیریا، گھانا، جنوبی افریقہ، ماریشس اور یوگنڈا وغیرہ۔ راقم جنوری ۱۹۷۵ء کو ریاض میں تھا۔ وہاں وزیر عدل سے معلوم ہوا کہ شاہ فیصل کے خصوصی احکام کے تحت قادیانیت کو بے نقاب کرنے والا لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی بارہ مشہور زبانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس لٹریچر میں مولانا مودودی مدظلہ العالی کا ایک پمفلٹ "قادیانی مسئلہ" بھی ہے۔ شاہ شہید کا اس سلسلے میں تازہ پروگرام یہ تھا کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں کے اندر مسلمان اہلِ علم کے ایسے وفود بھیجنا چاہتے تھے جو قادیانی مبلّغین کے ساتھ علمی انداز میں گفتگو کریں اور ان کو باطل اور بے بنیاد ثابت کریں۔ تاکہ جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے قادیانیت کے فریب کا شکار ہیں اُن کی آنکھیں کھل جائیں۔ اور بھی اس طرح کے انہوں نے متعدد منصوبے تیار کر رکھے تھے۔

مذکورہ اسلامی کانفرنس کے ذریعہ شاہ فیصل نے نہ صرف اسلامی دعوت کے کام میں عالمی پیمانے پر ہم آہنگی پیدا کرنا شروع کر دی تھی بلکہ داعیانِ اسلام کو بھی باہم متعارف اور مربوط کیا جا رہا تھا۔ اور آئندہ وہ افریقہ اور یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر تبلیغی اداروں کو زیادہ سے زیادہ متحد ومنظم کرنا چاہتے تھے۔

**نوجوانوں کی عالمی سطح پر تنظیم**

یہ تھی دعوت وتبلیغ کی سطح پر ملّی اتحاد کی کوشش۔ اب ایک اور ایسی کوشش دیکھیے۔ دنیا کے اندر اسلام کا غلغلہ ہر گوشے میں بپا ہو چکا ہے۔ اور اس کا سب سے خوش کن پہلو یہ ہے کہ عہدِ حاضر کی نئی نسل اسلام کی علمبردار بنتی جا رہی ہے۔ ترکی کے اندر نوجوان تاریخ کا دھارا بدل رہے ہیں۔ سوڈان کی خرطوم یونیورسٹی اور اُم درمان یونیورسٹی میں اسلام پسند نوجوانوں کی انتخابات میں کامیابی نئی نسل کے جدید رجحان کا پتہ

دے رہی ہے۔ مصر کے اندر ہزاروں نوجوان سینماؤں اور تھیٹروں کا رخ کرنے کے بجائے مسجدوں کا رخ کر رہے ہیں۔ اور نئی مصری نسل کے اندر "العودۃ الی اللہ" (خدا کی طرف رجوع) کے نام سے ایک نئی لہر اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ جن ملکوں کے اندر آمرانہ نظام قائم ہے وہاں بھی اندر ہی اندر نوجوان نسل اسلام کی خاطر پیچ و تاب کھا رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں کے حلقے دیارِ کفر میں اذانِ حق بلند کر رہے ہیں۔ خود پاکستان کی جامعات اور تعلیمی ادارے بھی "اسلامی انقلاب" کے نعروں سے لرز رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ ہوگا جہاں کے طلبہ اور نوجوانوں نے اسلام کا علم نہ اُٹھا رکھا ہو۔ حالات بتا رہے ہیں کہ یہ نئی نسل دنیا کے اندر حالات پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ اب ضرورت یہ تھی کہ نوجوانوں کی اس نسل سے بے اعتنائی نہ برتی جائے۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور نوجوان جہاں کہیں بھی دعوتِ اسلامی کا کام کر رہے ہیں ان کو ایک مرکز سے وابستہ کر دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ بھی کریں اور باہم متعارف ہو کر ایک دوسرے کی کمی کو پورا بھی کریں۔ اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لیے سعودی حکومت کی طرف سے یوتھ کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک ریاض میں دو ایسی کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور تیسری کی تیاری ہو رہی تھی جو غالباً اسی سال کے آخر میں منعقد ہونے والی تھی۔ سعودی عرب کی وزارت تعلیم میں باقاعدہ یوتھ کانفرنس کا ایک دائمی سکرٹریٹ قائم کیا جا چکا ہے۔ جس کا سالِ رواں کا بجٹ دس لاکھ ریال (تقریباً ۲۸ لاکھ روپے) ہے۔ اسلام پسند نوجوانوں اور اسلام پسند دانشوروں کو وقتاً فوقتاً جمع کرنا اس دور میں اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔ خود سعودی عرب کا نوجوان بھی جب باہر سے آنے والے نوجوانوں سے ملتا ہے اور ان کو اسلام کا شیدائی پاتا ہے تو اس کے ذہن و فکر پر بھی اچھے نقش ثبت ہوتے ہیں۔ غالباً شاہ فیصل مرحوم یوتھ کانفرنسوں کے ذریعے سعودی نوجوانوں کی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے جو سرمائے کے بل پر بگاڑ کا تیزی سے شکار ہوتے جا رہے تھے۔

**علم و فن کے میدان میں دعوتِ اتحاد** اگر اسلام کو دورِ حاضر میں اہم کردار ادا کرنا ہے اور تہذیبِ مغرب کے زوال کے بعد امامتِ عالم کا فرض انجام دینا ہے تو اسلامی تحریکوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان سے الگ نہیں رہنا چاہیے اور اس سلسلے میں دو باتوں پر فوری توجہ دینی چاہیے۔ ایک سائنس کے جملہ شعبوں اور ٹیکنالوجی میں اپنے افراد تیار کرنے چاہئیں۔ اور دوسرے دشمن کے اس پروپیگنڈے کا قلع قمع کرنا چاہیے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تضاد ہے۔ اسلام قانونِ شریعت ہے جو انسان کی اختیاری زندگی میں نافذ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اور سائنس قانونِ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کو بالفعل قائم کر رکھا ہے۔ دونوں قوانین کا ماخذ ایک ہی ہستی ہے۔ اس تصور کے تحت اگر انسانی زندگی کی تعمیر کی جائے گی تو وہ فساد و ہلاکت سے محفوظ رہ سکے گی۔ اسلامی تحریک کے سامنے یہ موضوع وقت کی نہایت

اہم ضرورت بن کر سامنے آرہا ہے۔ شاہ فیصل نے اپنے انداز میں اس موضوع پر جو توجہ دی تھی وہ بے شک حد درجہ تحسین و ستائش کی مستحق تھی سعودی حکومت نے مارچ کے آخر میں (۲۹ مارچ تا ۲ اپریل ۱۹۷۵ء) ریاض یونیورسٹی کی طرف سے ایک کانفرنس طلب کر رکھی تھی جس کا عنوان تھا "سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اسلامی تعاون کی کانفرنس" اس کانفرنس میں مسلم سائنس دان اور مسلم ماہرینِ فن مدعو کر رکھے تھے اور اس میں یہ جائزہ لینا پیش نظر تھا کہ مسلمان ملکوں کے اندر ٹیکنالوجی کی تعلیم، سائنس کی تعلیم، اسلامی تاریخ میں سائنس کی تعلیم و ترقی، صنعت کے میدان میں مسلمان ممالک کی موجودہ حالت (بھاری صنعتیں اور ہلکی صنعتیں)، جنگی صنعت۔ امریکہ، مغربی یورپ اور مشرقی یورپ اور روس کے صنعتی تحقیقاتی ادارے اور عالم اسلام میں تحقیقات کے مراکز (علی الخصوص مصر، پاکستان، ایران، ترکی، انڈونیشیا اور الجزائر میں) کس حال میں ہیں۔ اور انجینئرنگ کے میدان میں تحقیق و تطبیق کی موجودہ کیفیت کیا ہے۔ الغرض یہ کانفرنس نہ صرف مسلمان سائنسدانوں اور ماہرینِ فن کو ایک جگہ جمع کر دینے کا ایک اچھا ذریعہ بن سکتی تھی بلکہ عالم اسلام کے علمی و صنعتی حالات کا جامع جائزہ لینے کا بھی ایک موقع فراہم کر سکتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسلام اور سائنس کا رشتہ بھی مضبوط ہوتا۔ کانفرنس کا افتتاح ۲۹ مارچ کی صبح کو شاہ فیصل مرحوم نے کرنا تھا۔ تیاریاں سر پہ تھیں کہ مرحوم کو پیغامِ اجل آ پہنچا۔ (یہ کانفرنس اب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی ہے)۔ خدا کرے یہ کانفرنس شاہ کے موجودہ جانشینوں کے دور میں منعقد ہو جائے۔ یہ اسلام، مسلمانوں اور اسلامی تحریکوں کے لیے نہایت مفید خدمت ہوگی۔

**معاشیات کے میدان میں مساعیٔ اتحاد** مذکورہ بالا کانفرنس کے پائے کی ایک اور کانفرنس سعودی حکومت نے جدہ یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام مکہ معظمہ میں طلب کر رکھی تھی۔ یہ اسلامی اقتصادیات کی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ اس کے موضوعات بھی بڑے دلکش اور جامع ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ اقتصادی حالت، آمدنی کے وسائل و ذرائع، بین الاقوامی اقتصادیات کے ساتھ ان کے رشتے کی نوعیت، اسلام کا اقتصادی نظام، مسلمانوں کے اقتصادی نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے طریقے اور وسائل۔ اسی طرح بہت سی باتیں مسلمان ماہرین معاشیات اس کانفرنس میں پیش کرنے والے تھے۔ اس کانفرنس کی بدولت مسلمان ماہرین معاشیات باہم ملتے، سر جوڑ کر بیٹھتے اور یہ سوچتے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کیسے بہتر ہو۔ دولت مند مسلمان ممالک اپنے سرمائے کا صحیح استعمال کیسے کریں۔ مسلمانوں کو یہودیوں کے اقتصادی چنگل سے کیسے نجات دلائی جائے۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس (جو اب ملتوی کر دی گئی ہے) غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی اور مسلمان ماہرین معاشیات کو پہلی مرتبہ اونچی سطح سے اپنے اظہار خیال کا موقع مل رہا تھا۔ دونوں کانفرنسوں کے منتظمین اور شرکاء کے ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ان کی اکثریت الحمدللہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کو

مکمل نظام زندگی سمجھتے ہیں مغربی تہذیب سے مرعوب نہیں ہیں۔ اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کو بھی اقتصادی کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے موصول ہوتے رہے ہیں۔

شاہ فیصل معاشی نظام کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہے۔ سعودی عرب کی کرنسی ایجنسی کے گورنر مرحوم انور علی بتایا کرتے تھے کہ شاہ کئی بار ان سے اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ایسا موضوع ہے کہ اگر ماہرین معاشیات صحیح مشورہ نہ دیں تو بڑے سے بڑا دیدہ ور انسان بھی اُن کے آگے بے بس نظر آئے گا۔

طبقات، دوسائل کے اتحاد کی اسکیم برابر جاری تھی۔ ڈاکٹروں اور انسانی امراض کے ماہرین پر مشتمل بھی ایک کانفرنس کی اسکیم شاہ مرحوم کے پیش نظر تھی۔ تاکہ صحت عامہ کے میدان میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس میدان کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ بنایا جائے۔ اور مغرب پر دارو مدار کے بجائے مسلمان اطبا اور دواسازوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ شاہ کے مقربین سے ہم سنتے رہتے تھے کہ شاہ پاکستانی ڈاکٹروں پر بڑا اعتماد رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خصوصی معالج بھی پاکستانی رکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹروں کی تعلیم کے لیے شاہ فیصل سعودی نوجوانوں کو پاکستان بھیجتے تھے۔ یورپ اور امریکہ میں ڈاکٹری کی تعلیم کا ہر شخص خواہشمند ہوتا ہے۔ مگر شاہ فیصل اس خیال سے کہ پاکستان کے اساتذہ ڈاکٹر بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ اور خود پاکستان کا ماحول بھی سعودیوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے میں مدد دے گا سعودی نوجوانوں کو پاکستان ہی تعلیم کے لیے بھیجتے تھے۔

**نشریات کے میدان میں** شاہ کی شہادت سے ایک روز پیشتر (۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء) ریاض میں عالم اسلام کے نشریاتی اداروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اس میں ۲۳ مسلمان ملکوں کے نمائندے شریک تھے۔ نشریاتی میدان میں مسلمان ممالک دو حیثیتوں سے مار کھا رہے ہیں۔ ایک دنیا کی بین الاقوامی نیوز ایجنسیوں اور نشریاتی اداروں نے ان پر اپنا سحر طاری کر رکھا ہے اور وہ اپنی تصویر بھی دیکھنے کے لیے ان اداروں کے فراہم کردہ آئینہ کے محتاج ہوتے ہیں اور دوسرے مسلمان ممالک کے نشریاتی اداروں کے اندر ایسے عناصر گھسے ہوئے ہیں جن کی وفاداریاں اسلام اور ملت اسلامی کے ساتھ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ غیر اسلامی نظریات کے علمبردار اور بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ لوگ عالم اسلام کے اتحاد میں شدید رکاوٹ ہیں۔ دنیا کے اندر پروپیگنڈے کی جو اہمیت ہے اُس کے پیش نظر جب تک عالم اسلام کے نشریاتی ادارے اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوتے اور بیرونی عناصر سے پاک نہیں ہوتے، اور پورا عالم اسلام پروپیگنڈے میں یک آواز نہیں ہوتا اس وقت تک مسلمانوں کی وحدت تو کجا مسلمانوں کی سلامتی و بقا بھی خطرے میں ہے۔ نیز اگر ملت اسلامی کو نئے سرے سے اسلامی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے تو نشریاتی نظام کی اصلاح ایک ناگزیر امر ہے۔ اسی احساس کے تحت

شاہ فیصل نے مسلمانوں کے نشریاتی اداروں کے اندر اصلاح اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مذکورہ کانفرنس اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی اور اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی اسے اسلامی نشریاتی کانفرنس کا نام دیا گیا۔ اس کانفرنس کے لیے جو خصوصی بیج تیار کیا گیا تھا وہ ایک گول دائرہ ہے۔ اس میں کرۂ ارض کے ایک گوشے میں خانہ کعبہ بنایا گیا ہے جس کے اُوپر ریڈیائی لہریں بنی ہوتی ہیں۔ اس میں جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام کا محور بیت اللہ ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کے نشریاتی اداروں نے اس اہم کانفرنس کے متعلق اپنا صحیح رول ادا نہیں کیا۔

**دعوتِ اسلامی کی عام اشاعت** سعودی حکومت کے قابلِ ستائش کارناموں میں سے ایک رابطہ عالمِ اسلامی کا قیام ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۶۳ء میں شاہ سعود مرحوم کے زمانے میں قائم ہوا تھا اور شاہ فیصل کے دور میں اسے بڑی وسعت دی گئی۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی کے ارکان کی تعداد اب ۵۰ سے زائد ہے۔ اس میں تمام مسلمان ممالک اور متعدد مسلمان اقلیتوں کے نمائندے شریک ہیں۔ ہر سال ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے مسائل پر اظہارِ خیال ہوتا ہے۔ رابطہ کے ذریعے دنیا کے اندر اسلامی اداروں کی مالی مدد بھی کی جاتی ہے اور اشاعتِ اسلام کے نئے ادارے بھی قائم کیے جاتے ہیں۔ مسلمان اقلیتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ تبلیغی وفود اطرافِ عالم میں بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے موقع پر اسلامی موضوعات پر تقریریں کروائی جاتی ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ گذشتہ حج (دسمبر ۱۹۷۵ء) کے موقع پر راقم کو رابطہ کے اس شعبے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں سے کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ سعودی حکومت نے اسلامی لٹریچر کا وسیع پیمانے پر "لنگر" جاری کر رکھا ہے۔ مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے علاوہ دور دراز ملکوں کے اندر عام اسلامی لٹریچر روزانہ ٹنوں کے حساب سے دستی اور ڈاک کے ذریعے بانٹا جاتا ہے۔ اسٹور کے انچارج جناب رشید فارسی صاحب نے مجھے بتایا کہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور علم کی خدمت میں شاہ فیصل کا یہ حال ہے کہ جونہی ان کے علم میں کوئی مفید کتاب آجاتی ہے وہ چاہے کتنی گراں ہو فوراً اُسے خرید کر اہلِ علم کو مفت پیش کرنے کا امر جاری کر دیتے ہیں۔ رشید فارسی صاحب نے مجھے نمونے کے طور پر دو کتابیں دکھائیں۔ ایک مزی کی تحفۃ الاشراف اور دوسری امام بغوی کی شرح السنۃ۔ اسلامی لٹریچر میں ان کتابوں کی کیا قدر و قیمت ہے۔ یہ اصحابِ ذوق ہی جانتے ہیں۔ دونوں کی ابھی پہلی پانچ جلدیں چھپی ہیں۔ اور نہایت گراں ہیں۔ شاہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہی انہیں خریدنے اور تقسیم

کرنے کے احکام جاری کر دیے۔ رابطۂ عالم اسلامی، وزارت اوقاف، وزارت عدل اور دارالافتاء کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں کروڑوں روپے کی کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی تاریخ کے وہ علمی شاہکار جو ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے دور میں مدون کیے ہیں انہیں نئی زندگی بخشی جا رہی ہے۔

**افریقہ کی خدمت** چند سال پیشتر شاہ فیصل نے افریقی ممالک کا طویل دورہ کیا تھا۔ اس دورے میں اُن کے جو رفقاء تھے انہوں نے بتایا کہ شاہ نے اس دورے میں تمام تکلفات ختم کر دیے۔ اور مسجدوں کے اندر جا جا کر عام مبلغین کی طرح وعظ کیے اور درس دیے۔ افریقہ کی دور دراز آبادیوں کے مسلمان ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ مسلمان حکمرانوں میں سے وہاں جانے کی کسی نے تکلیف گوارا نہیں کی۔ چنانچہ جب ان مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ والیٔ حرمین اُن کے ملک میں آ رہا ہے تو وہ سڑکوں پر نکل آئے اور اپنی انتہائی خوشی اور بے انتہا بے بسی دونوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ شاہ اس صورتِ حال سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے تمام رکاوٹیں ہٹا کر عام افریقی مسلمان کو سینے سے لگایا۔

اس دورے سے واپسی کے بعد شاہ نے افریقی اُمور کو اپنی خصوصی توجہات کا ہدف بنا لیا اور ہر افریقی ملک کے اندر مسجدوں، مدرسوں اور مکتبوں کے قیام کو مہم کے طور پر شروع کر دیا۔ اور پھر سینکڑوں کی تعداد میں وہاں مبلغین بھیجے جو سعودی حکومت کے خرچ پر وہاں جا بجا اسلامی تبلیغ اور دین اسلام کی تدریس میں مشغول ہیں۔ اسلامی لٹریچر بھی بہت بڑی مقدار میں افریقہ بھیجا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نے افریقہ پر اپنے فیض کی بارش کر رکھی تھی۔ اور اس سے افریقہ کے اندر اسلامی بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔

**ہمہ گیر سرپرستی** آپ یورپ اور امریکہ جائیں تو آپ جس شہر میں اُتریں آپ کوئی مسجد، کوئی اسلامی مرکز، کوئی مبلغ ضرور ایسا پائیں گے جو شاہ فیصل شہید کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہوگا۔ سعودی عرب میں روزانہ اکنافِ عالم سے وفود پہنچتے رہتے ہیں اور اسلامی منصوبوں کے لیے امداد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو اگر وہ فہرست دکھا دوں جس سے یہ معلوم ہو کہ کس طرح یہ شاہ شہید دنیا کے مقہور و مظلوم انسانوں کی دستگیری کرتا رہا، اَن پڑھ اور جاہل مسلمانوں میں علم پھیلاتا رہا، بستیوں اور شہروں کے اندر اسلامی تعلیم کا چرچا کرواتا رہا، جہاں سے اَذان کی آواز نہ اُٹھتی تھی وہاں اذانیں بلند کرواتا رہا، آزادی کی تحریکوں کو شہ دیتا رہا، بیکسوں کی غمخواری، بے نواؤں کی ہمدردی اور یتیموں اور فقیروں کی دلجوئی کرتا رہا ہے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ شاہ فیصل سعودی عرب کا بادشاہ نہ تھا بلکہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مشفق باپ، وفادار دوست، مخلص سرپرست مدبر، رہنما

رحمدل قائد، درد مند پیشوا اور لاوارثوں کا وارث تھا۔ اس کی حیثیت عالم اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک چھتری کی تھی۔ افسوس کہ یہ چھتری مسلمانوں سے چھین لی گئی۔ المدینہ اخبار کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں: "اے ابو عبداللہ (فیصل کی کنیت)، ہم تجھے رو رہے ہیں۔ اور تجھے روتے رہیں گے۔ ہم کیوں نہ روئیں۔ ہم سے رحمت و شفقت چھین گئی۔ ہم عزیمت و ایمان کے پیکر کو گنوا بیٹھے۔ ہم کیوں نہ روئیں: کیا شیر خوار بچہ ماں کو چھوڑ سکتا ہے۔ کیا کلی پانی کے بغیر شاداب رہ سکتی ہے؟ کیا کشتی بغیر ملاح چل سکتی ہے؟ رو لے میری آنکھ رو۔

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

شاہ شہید جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو عالم عرب غیر اسلامی فتنوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ عرب قومیت نے نسلِ نو کو مسحور کر رکھا تھا، اور ناصر جیسا ہنگامہ آرا لیڈر اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ امریکہ کی پے در پے غلطیوں اور سازشوں کی وجہ سے سوشلزم اور کمیونزم کو ہوا مل رہی تھی۔ صہیونی تحریک پوری طرح سرگرم عمل تھی کہ اس کے مختلف ادارے بیروت کو اپنا مرکز بنا کر ہر جگہ اپنا جال بچھا رہے تھے۔ اسلام کے سوا ہر فتنہ کے لیے عربوں کے دروازے کھلے تھے۔ شاہ فیصل میدان میں اترے اور ان فتنوں کے خلاف ہمہ جہتی جنگ کی طرح ڈال دی۔ چنانچہ انہوں نے عرب قوم پرستی کے غبارے سے ہوا نکالی۔ اور یہ بتایا کہ عربوں کے اندر طبقاتی تقسیم پیدا کرنے والا، عربوں کے ہاتھوں عربوں کا خون بہانے والا (جیسا کہ شمالی یمن میں مصری فوجوں کے ہاتھ ہو رہا تھا)، عرب اقوام کو انقلابی اور غیر انقلابی گروہوں میں بانٹنے والا، عرب حکومتوں کے تختے اُلٹانے کی سازشیں کرنے والے (ناصر نے کہا تھا کہ بعض حکمرانوں کے سروں کی فصلیں پک چکی ہیں اور اب اُن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے)۔ فرعونی، سریانی، فینقی اور بابلی تہذیبوں کو فروغ دینے والا عرب اقوام کا حامی نہیں ہو سکتا۔ اشتراکیت پر بھی شاہ نے زبردست تنقید کی، اور علم و تحقیق کے ذرائع کام میں لا کر یہ ثابت کیا کہ اشتراکیت یہودیت کا دوسرا نام ہے اور اشتراکی نظریہ کی تخلیق کرنے والے، اور عرب ممالک کے اندر اشتراکیت کا نعرہ بلند کرنے والے یہودی اور نصرانی ہیں یا اُن کے وظیفہ خوار ہیں۔ اسرائیل اور صہیونی تحریک اور صہیونی عزائم کا بھی خوب پول کھولا۔ اس وقت عرب ممالک کے کتب خانے ایسے لٹریچر سے بھرے پڑے ہیں جس میں ان نظریات کی حقیقت علمی استدلال اور حقائق و واقعات کی روشنی میں واشگاف کی گئی ہے۔ اس پورے لٹریچر کے پیچھے شاہ فیصل کا سرمایہ اور منصوبہ کارفرما ہے۔ چنانچہ شاہ فیصل کی شہادت

پر اسرائیلی ریڈیو کا تبصرہ یہ تھا: "شاہ فیصل اسرائیل اور یہودی قوم کا شدید دشمن تھا (بحوالہ روزنامہ القبس، کویت ۲۶ مارچ ۱۹۷۵ء)

راقم کو معلوم ہوا ہے کہ شاہ فیصل کے جنازے پر یاسر عرفات بلک بلک کر رویا ہے۔ یاسر رونے میں حق بجانب ہے۔ اور شاید یاسر کا رونا جلدی بند نہ ہوگا۔ جن وجوہ کی بنا پر یاسر رویا ہے۔ وہ مجھے معلوم ہیں۔ اور میں بھی یاسر کے ساتھ رونے میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے یاسر سے ذاتی تعارف ہے۔ یہ مخلص انسان بلاشبہ آج اپنے آپ کو صحیح معنوں میں یتیم محسوس کرتا ہوگا۔ اب وہ اگر چراغ رُخِ زیبا لے کر بھی ڈھونڈے تو دنیا میں ایسا حکمران نہ پا سکے گا جو اسے یہ کہے گا کہ: "اخی یاسر! میرا پورا خزانہ تمہارے لیے وقف ہے۔ میں تمہارے وطن کی آزادی کے سلسلے میں کبھی سودا بازی نہ کروں گا اور نہ کرنے دوں گا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب گواہ ہے۔" یہ صدق و دیانت، وسعتِ قلب و نظر اور عزم و ایمان سے بھرپور تسلی یاسر عرفات کو اب بظاہر کہیں سے ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو نہ ہونا چاہیئے۔ اس نے فیصل پیدا کیا تھا تو وہ ایسے اور فیصل بھی پیدا کر سکتا ہے۔ لا تیئسوا من روح اللہ۔ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکٰفرون۔

شاہ فیصل نے عربوں کو متحد کرنے کی تحریک چلائی جو نہ امریکہ کو پسند تھی اور نہ روس کو۔ انہوں نے پورے عالمِ اسلام کو متحد کرنے کا اعلان کیا اور عملی اقدامات بھی کیے۔ یہ نہ یہودیوں کو منظور تھا، نہ کمیونسٹوں کو اور نہ ہندوؤں کو۔ شاہ فیصل نے صہیونیت اور اشتراکیت دونوں کا تعاقب کیا۔ اس سے اسرائیل بھی مبتلائے قلق ہوا اور ماسکو بھی۔ شاہ فیصل نے ۱۹۷۳ء کی جنگ عرب و اسرائیل میں مصر و شام کو مالی اور اسلحہ سے لاد دیا اور یوں اس جنگ کے ہیرو بن کر آگئے۔ یہ بات اعداے اسلام کو نہ ہضم ہو سکی۔ شاہ فیصل نے پٹرول کا ہتھیار استعمال کیا تو پوری مغربی دنیا کے ہوش اُڑ گئے اور اُسے معلوم ہوگیا کہ اسرائیل کی حمایت کس طرح اس کی زندگی دوبھر کر سکتی ہے۔ جب امریکی ڈپلومیسی (جسے درپردہ روس کی حمایت بھی حاصل تھی) مسئلۂ فلسطین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور "مرحلہ وار" حل کرنے کی کوشش کی (جو درحقیقت ایک سازش تھی) اور شاہ فیصل نے فوراً شام، اُردن اور مصر کا دورہ کر کے ان ملکوں کو امریکی سازش سے چوکنا کیا تو کسینجر پیچ و تاب کھانے لگا۔ شاہ فیصل نے اعلان کیا کہ بیت المقدس اور دوسرے مقدس مقامات کی واگزاری کے لیے کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی اور وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھنے کے خواہشمند ہیں تو تحریک صہیونیت

ایک زلزلے سے دوچار ہو گئی۔ اور آخر میں جب ۱۹ مارچ کو شاہ فیصل اور کیسنجر کی ملاقات ہوئی تو گفت وشنید کے بعد شاہ فیصل نے کیسنجر کو رسوائے زمانہ کتاب "یہودی سازش" کی ایک کاپی ہدیۃً پیش کی تو کیسنجر نے یوں محسوس کیا جیسے شاہ فیصل نے اس کے سر میں گولی ماردی ہو ——— اس پورے پس منظر کے بعد اگر شاہ فیصل کو سر میں گولی مار کر جامِ شہادت نوش کرا دیا گیا ہے تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

جان تو آنی جانی ہے جان کی کوئی بات نہیں

شاہ مرحوم پاکستان سے عشق رکھتے تھے۔ راقم کو اُن کے بزرگ چچا کے ذریعے سے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ پاکستان کے لیے کتنا درد رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جب پاکستان کو میدانِ جنگ میں کامیابیاں نصیب ہوئیں تو فیصل خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ صرف زبانی طور پر خوشی کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے پاکستان کی اخلاقی اور مالی اور عسکری امداد میں بھی دریغ نہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کا سقوط پیش آیا تو وہ بچوں کی طرح روئے۔ اور کئی راتیں انہیں چین نصیب نہ ہوا۔ اُن کے ایک قریبی دوست نے مزاحاً کہا کہ آپ تو پاکستان کے لیے اب تک رو رہے ہیں۔ مگر پاکستان میں تو شاید اب کوئی ذمہ دار شخص اس پر رونے والا نہ ملے گا۔ وہ کہنے لگے "اسی لیے مجھے زیادہ رونا آتا ہے"۔ مشرقی پاکستان کے سابق امیر جماعت اسلامی پروفیسر غلام اعظم نے حالیہ حج کے موقع پر اُن سے دریافت کیا کہ "آپ نے ابھی تک بنگلہ دیش کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟" تو شاہ نے جواب دیا کہ مجیب نے جس دستور کا اعلان کیا ہے اُس کی رُو سے بنگلہ دیش ایک سیکولر اشتراکی اور قومی ریاست ہے۔ اس لیے میں ایسی ریاست کو ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔ اور اسی وقت تسلیم کروں گا جب مجیب دستوری طور پر اعلان کرے گا کہ بنگلہ دیش اسلامی ریاست ہے۔ شاہ نے بتایا کہ ان پر بڑی بڑی طاقتوں نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہے۔ لیکن یہ میرے عقیدہ و ایمان کا مسئلہ ہے۔ اور لادین ریاست کو تسلیم کرنا کفر کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اور میں کفر کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ (مرحوم کے یہ الفاظ تھے: لن اعترف بالکفر)۔ پاکستان کے موجودہ اندرونی خلفشار پر بھی مرحوم سخت دلگیر رہتے تھے۔ پاکستان کے لیے اُن کے خزانے کھلے تھے۔ نہ صرف آفات و مصائب کے وقت انہوں نے پاکستان کی مدد کی بلکہ ہر طرح سے پاکستان کو مضبوط بنانے کے آرزو مند تھے۔ مجھے ایک اہم سعودی شخصیت کے یہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ اُس نے گذشتہ جنوری میں مجھ سے کہا کہ "فیصل کو پاکستان سے (باقی برصفحہ ۳۰۶)

# رسائل و مسائل

## قادیانی مدعی کا جھوٹا دعوائے مہدویت

ملک غلام علی

سوال :- موجودہ جدوجہد ہم سب نے مشترکہ طور پر قادیانیوں کے خلاف کی اور ان کو آخر کار غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، اس دوران مجھے ایک قادیانی نے چند کتابیں دیں۔ میرا بھی دل میں تجسس بڑھ گیا تھا۔ ان کی دوسری باتوں میں تو خیر میں نے کوئی اس قدر گہرائی محسوس نہ کی مگر ایک بات ان کی میرے دل میں اٹک کر رہ گئی، اور اس کے متعلق میری سمجھ میں کوئی توجیہہ نہ آئی۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس کا تفصیل سے جواب دیں اور مجھ پر اس کی حقیقت واضح کر دیں۔

ایک کتاب میں لکھا تھا کہ آنحضرتؐ نے پیش گوئی کی تھی: (اِنَّ لمھدینا آیتین...) ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے مہدی کے لیے دو نشان ہیں اور جب سے یہ زمین و آسمان بنے ہیں یہ واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ اور وہ یہ کہ جب مہدی پیدا ہوگا تو رمضان کے مہینے میں ۱۳ تاریخ کو چاند گرہن اور ۲۸ تاریخ کو سورج کو گرہن لگے گا۔" اور یہ واقعہ پہلے کبھی نہ ہوا" سنن دار قطنی صفحہ ۱۸۸) اس میں مزید لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں مہدویت کا دعویٰ کیا اور ۱۸۹۴ء میں نصف کرہ مشرقی میں اور ۱۸۹۵ء میں کرہ مغربی میں یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ آپ براہ کرم واضح کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا صحیح مطلب کیا ہے اور یہ کس سے متعلق ہے۔

جواب :- مرزا غلام احمد کے جھوٹے دعووں کی تردید میں علمائے کرام نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ مرزا غلام احمد اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی قادیانیوں کو اپنے اور اپنے پیشوا کے باطل دعاوی پھیلانے کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے جن دعووں میں کرشن اور رودر گوپال وغیرہ

کا اپنے آپ کو مصداق ٹھیرایا ہے، ان سے تو ہمیں تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مرزا غلام احمد کے پیرو جب مسلمان ہونے کے مدعی بنتے ہیں اور مرزا غلام احمد کے ان دعاوی کا پرچار کرتے ہیں جن میں اسے نبی و رسول، مسیح موعود اور مہدی معہود کہا گیا ہے تو یہ حرکت قانون کی نگاہ میں بھی جرم ہے اور ہر غیرت مند مسلمان کے لیے بھی دل آزاری کا موجب اور ناقابلِ برداشت ہے۔ معلوم نہیں ان لوگوں کی رسی کب تک دراز رہے گی؟

بہرکیف مہدی کے متعلق جس پیش گوئی کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے چونکہ قادیانی اسے مرزا غلام احمد پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے میں اس کی حقیقت مختصراً واضح کیے دیتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مہدی کے معنی عربی زبان میں ہدایت یافتہ کے آتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص نبوت کا مدعی کاذب بن کر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے، وہ ہدایت یافتہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا شخص مہدی نہیں بلکہ ضال و مضل اور غاوی ہے۔ جس مہدی کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے وہ بہرحال اُمت مسلم کا ایک فرد ہوگا۔ صاحبِ اقتدار ہوگا، وہ کسی نظامِ باطل کا زلّہ خوار نہیں ہوگا، نہ اس طرح کے نت نئے دعوے کرے گا جن کا سچائی اور حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔

قادیانیوں نے اپنے استدلال میں تلبیس کا دوسرا حربہ جو اختیار کیا ہے وہ ان کی درج ذیل دعوے میں پوشیدہ ہے جسے وہ بار بار دہراتے ہیں۔ چنانچہ 'الفضل' جلسہ سالانہ نمبر ۲۳ دسمبر ۱۹۷۴ء میں ہے۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری زمانے کے متعلق جس میں مہدی معہود نے ظاہر ہونا تھا یہ پیش گوئی فرمائی تھی"۔

اس عبارت کے ذریعے سے قاری کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آگے جو پیش گوئی انھوں نے درج کی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے اور آنحضورؐ نے خود مہدی کے متعلق یہ علامات بیان فرمائی ہیں۔ اب آپ دیکھیے کہ سنن دارقطنی میں پوری عبارت یوں ہے:۔

عن عمرو بن شمر عن جابر عن محمد بن علی قال ان لمهدينا آيتين

اس سلسلہ اسناد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے، بلکہ کسی صحابی تک کا ذکر بھی نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قولِ رسول تو کیا کجا قولِ صحابی بھی نہیں ہے۔ اس کے آخری راوی محمد بن علی ہیں اور وہ یہ بات کہہ رہے ہیں۔ پھر آخر قادیانیوں کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی ۔ محمد بن علی کے متعلق بھی دار قطنی میں صراحت نہیں کہ یہ کون سے محمد بن علی ہیں۔ کتب رجال میں اس نام کے کم از کم پندرہ راوی ملتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ محمد بن علی امام باقر ہیں۔ بلاشبہ وہ ثقہ ہیں۔ لیکن اسناد کے باقی راوی سب مجروح ہیں ۔ بالفرض اگر سارے راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہی ہوں تب بھی اس قول پر حدیث رسول کا اطلاق کسی طرح نہیں ہو سکتا اور ہمارے لیے اصل ماخذ وحجت قرآن و حدیث ہے ۔

پھر اس روایت کے ترجمہ میں قادیانیوں نے جس مغالطہ انگیزی اور فریب دہی سے کام لیا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے ۔ اس میں " اول لیلۃ من رمضان" کا ترجمہ تیرھویں رات اور " نصف منہ " کا ترجمہ اٹھائیسویں دن کر دیا گیا ہے ۔ یہ قادیانیوں کا کوئی اپنا حساب کتاب اور ریاضی کا فلسفہ ہوگا جس میں پہلی تاریخ تیرھویں اور نصف رمضان اٹھائیسویں تاریخ بن جاتی ہے ۔ انھوں نے اپنا ایک الگ کیلنڈر ایجاد کر رکھا ہے ، غالباً یہ اسی کا کرشمہ ہے ۔

آخری اور فیصلہ کن بات اس روایت کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا مضمون دوسری احادیث صحیحہ سے متعارض ہونے کے باعث بھی ناقابلِ قبول ہے ۔ بہت سی صحیح احادیث میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے کہ کسوف و خسوف کا کوئی تعلق کسی انسان کی زندگی یا موت سے نہیں ہے ۔

صحیح بخاری ، ابواب الکسوف میں حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ سے روایت ہے :۔

> كسفت الشمس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم مات ابراهيم ـ فقال الناس كسفت الشمس لموت ابراهيم ـ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ ان الشمس والقمر لا ينكسفان لموت احد ولا لحياته ، فاذا رايتم فصلوا وادعوا الله ـ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس روز سورج گرہن ہوا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی ۔ لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی شخص کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے ۔ پس جب تم ایسا دیکھو تو نماز کسوف و خسوف پڑھو ، اور اللہ سے دعا کرو) ۔

دوسری احادیث میں مزید یہ الفاظ ہیں کہ یہ دونوں قسم کے واقعات اللہ کی نشانیاں ہیں ، اللہ ان

کے ذریعے سے بندوں کو ڈراتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات مبارک کا صاف مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن کا کوئی تعلق کسی انسان کی زندگی یا موت سے نہیں ہے۔ ان کا مقصد محض تخویف و تنذیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جب سورج گرہن ہوا، تو آپ نے اپنی نبوت کے حق میں کبھی اس واقعہ کو بطور دلیل پیش نہیں کیا، نہ امت کے کسی فرد نے آج تک کسوف و خسوف سے اس طرح کا استدلال کیا ہے، یہ محض جھوٹے دعویداروں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے باطل مزعومات کے لیے ایسے بودے اور غیر یقینی سہارے تلاش کرتے ہیں۔

---

(بقیہ اشارات) ذمہ داریوں کا کیوں احساس پیدا نہیں ہوتا؟ موجودہ دستور کی شق نمبر ۳۱ (۲ الف) میں نہایت واضح طور پر یہ الفاظ درج ہیں کہ حکومت پاکستان اس بات کے لیے پوری طرح کوشاں رہے گی کہ قرآن اور اسلامیات کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کا التزام کرے۔ دستور کے اندر اس یقین دہانی کے باوجود جن لوگوں نے اسلامیات کو نصاب سے خارج کرنے کی تجویز پیش کی ہے وہ آخر کیوں قابل مواخذہ نہیں۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان "بزرجمہروں" کے ساتھ حکومت نے کیا سلوک کیا ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حکومت کی نصاب کمیٹی نے دستور سے یکسر انحراف کرتے ہوئے ایک نہایت ہی غلط تجویز پیش کی اور عوام کو اس پر رائے زنی کی دعوت دی اور جب انہوں نے اس کے خلاف رائے دی تو وزیر تعلیم اُن کی اس جسارت پر بھڑک اُٹھے اور اسے شرانگیز کہہ کر ناقدین کو رسوا کرنے کی کوشش کی۔ وزیر تعلیم صاحب کے اس طرز عمل سے اس رجحان کا اندازہ ہوتا ہے جو حکومت عوام کے اندر اپنی پالیسیوں کے جائزے اور احتساب کے بارے میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ ان کی یہ ناروا برہمی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ حکومت اپنے عوام کو اس ڈھب پر لانا چاہتی ہے کہ وہ اس کی ہر حرکت کو خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہیں اور اگر زبان کھولیں تو صرف سرکار عالی مدار کی تعریف و توصیف کے لیے کھولیں۔ جس حکومت کے ارباب بست و کشاد عوام کو بے بسی کی تصویر بنانے یا قصیدہ خوانوں کا ایک منظم گروہ تیار کرنے کا عزم رکھتے ہوں وہاں عوام کا شعور کس طرح بیدار ہو کر اپنے حقوق کی نگہداشت کر سکتا ہے۔ حکومت کے اس طرز عمل سے جمہوریت کی راہ ہموار نہیں ہوتی بلکہ آمرانہ استبداد کے لیے راستہ کھولنے کا انتظام ہوتا ہے۔

---

خالی صفحه